# نمل (نمرہ احمد)

بیسویں قسط: (حصہ سوم)

Special Episode

## ’’ ماہِ کامل کی وہ برف رات! ‘‘

کوہسار پہ سفید برف دمک رہی ہے۔

ایک قدم کا نشان تک نہیں ہے۔

ایک تنہائی کی سلطنت ہے...

اور یوں لگتا ہے جیسے میں ملکہ ہوں!

میرے اندر کے طوفان کی طرح باہر کی ہوا بھی غرا رہی ہے

میں اپنے شر کو اندر نہیں دبا سکی...

خدا جانتا ہے میں نے کتنی کوشش کی!

کہ ان کو معلوم نہ ہونے دوں!

وہ اچھی لڑکی بن جاؤں جو مجھے بننا تھا۔

چھپا لوں، محسوس نہ کروں، ان کو پتہ نہ چل جائے۔

مگر خیر... اب جان گئے سب!

سو... جانے دو... جانے دو

اب نہیں دبا سکتی اس کو اندر

جانے دو... جانے دو

مڑ جاؤ... اور دروازہ بھینچ دو

لوگ کیا کہیں گے، مجھے پرواہ نہیں۔

طوفان کو برپا ہونے دو۔

ٹھنڈ سے مجھے فرق پڑا کبھی نہیں!

عجیب بات ہے کہ کیسے ذرا سے فاصلے سے

چیزیں چھوٹی دکھائی دینے لگتی ہیں۔

اور وہ خوف جو کبھی مجھے گھیرے رہتا تھا'

اب مجھے چھو بھی نہیں پا رہا۔

اب یہ دیکھنے کا وقت ہے کہ میں کیا کر سکتی ہوں۔

اب اپنی حدود کو آزمانا ہے اور توڑنا ہے

نہ کوئی صحیح' نہ کوئی غلط...کوئی اصول نہیں میرے لئے۔

میں ہوں آزاد!

جانے دو...جانے دو

تم اب مجھے کبھی روتے ہوئے نہیں دیکھو گے

یہاں کھڑی ہوں میں' اور یہیں رہوں گی میں!

طوفان کو برپا ہونے دو۔

کسی برف شار کی طرح ایک خیال دل میں جم سا جاتا ہے!

''میں کبھی واپس نہیں جاؤں گی' ماضی' ماضی میں رہ گیا۔''

جانے دو...جانے دو

اور میں اٹھوں گی تازہ صبح کی طرح

جانے دو...جانے دو

وہ پرفیکٹ گرل اب نہیں رہی...

اور یہاں کھڑی ہوں میں' دن کی روشنی میں

طوفان کو برپا ہونے دو

ٹھنڈ سے مجھے فرق پڑا کبھی نہیں!

Queen Elsa (فروزن)

فصیح نے تیز قدموں سے راہداری عبور کی اور اضطراب پہ قابو پائے دروازہ کھولا تو گارڈز اور میری خاموش کھڑے نظر آ رہے تھے۔ سعدی

کے کمرے کی چوکھٹ پہ خاور کھڑا فرش کو دیکھ رہا تھا جہاں بے سدھ گارڈ لیٹا دکھائی دیتا تھا۔ اس کی آنکھیں کسی نے بند نہیں کی تھیں۔ وہ ہنوز شاک کے عالم میں کھلی ہوئی تھیں۔ ساتھ ہی زمین پہ سعدی اکڑوں بیٹھا تھا۔ گھٹنے سینے سے لگائے' وہ شل سا سامنے خلاء میں دیکھ رہا تھا۔ مٹھی سختی سے بند تھی۔

''کیا ہوا ہے ادھر؟'' فصیح خود پہ غصہ طاری کرتا' گارڈز کو ہٹاتا تیزی سے اندر داخل ہوا۔ لاش کے قریب جوتے روکے۔

''وہ کھانا لے کر اندر گیا۔ پھر کچھ دیر بعد سعدی نے آواز دی۔ میں آئی تو یہ دونوں اسی حالت میں تھے۔ یہ کچھ بتا نہیں رہا تھا تو میں نے خاور کو بلایا۔'' میری جلدی جلدی کہنے لگی۔ گارڈز بھی دم بخود تھے۔ مرنا یا مارنا' ان کی جاب ڈسکرپشن میں شامل نہ تھا۔ وہاں کسی کو بھی معلوم نہ تھا کہ ان کا ساتھی گارڈ سعدی یوسف کو قتل کرنے اندر گیا تھا۔ اور جس نے اسے بھیجا تھا' اب وہ پنجوں کے بل لاش کے قریب بیٹھا۔

''اس کی موت زہر کی وجہ سے ہوئی ہے۔'' خاور نے خشک لہجے میں اسے مخاطب کیا' مگر فصیح نے جھک کر اس کی نبض چھوئی' گردن پہ ہاتھ رکھا۔ پھر احتیاط سے ہاتھ کی پشت دیکھی۔ وہاں موجود نشان واضح تھا۔

''کہاں سے آیا زہر تمہارے پاس' بولو۔'' اس نے سعدی کو جھپٹ کر کھڑا کیا۔ سعدی ابھی تک اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظریں سامنے دیوار پہ جمی تھیں۔ فصیح نے پہلے جبراً اس کی بند مٹھی کھولی۔ اندر مڑی تڑی تصویر تھی۔ پھر اس نے اس کی تلاشی لی' جیبیں تھپتھپائیں۔

''پورا کمرہ چیک کرو' ایک ایک چیز چھان مارو۔ زہریلا انجکشن کہاں سے آیا؟ مجھے جواب چاہیے۔ اس کی بھی تلاشی لو۔'' خاور کی طرف اشارہ کرتے وہ گرجا تھا۔ خاور نے ابرو اچکا کر ہاتھ اٹھا دیے۔ گارڈز آندھی طوفان کی طرح کمرہ کنگھالنے لگے۔ میری وہاں سے ہٹ آئی۔

قریباً ایک گھنٹہ گارڈز اس کے کمرے کو چھانتے رہے۔ ہر شے الٹا دی' بکھرا دی۔ مگر زہریلی سرنج نہ ملی۔ فصیح' جواہرات کو کال ملاتا وہاں سے نکل گیا۔ وہ سخت پریشان لگتا تھا۔ کمرے میں وہ دونوں تنہا رہ گئے تو خاور نے ایک گہری نظر سعدی پہ ڈالی جو پھر سے فرش پہ اکڑوں بیٹھا تھا۔ شل' ساکت۔ لاش اب وہاں نہیں تھی۔

''شکر کرو بروقت میری نے وہ پین چھپا دیا۔ ویسے کہاں سے آیا وہ تمہارے پاس؟''

وہ نہیں سن رہا تھا۔ بس یک ٹک دیوار کو دیکھ رہا تھا۔

''وہ تم پہ حملہ کرنے آیا' تم نے اسے مار دیا۔ ٹھیک کیا۔ اب ہم زیادہ دن یہاں نہیں رکیں گے۔ ماہِ کامل کی رات قریب آ پہنچی ہے۔''

اس نے اب بھی کچھ نہیں کہا۔ خاور سر جھٹک کر باہر نکلنے لگا تو وہ بولا۔

''اس کی بھی فیملی تھی۔'' دھیرے سے کہتے ہوئے اس نے مٹھی کھولی۔ ''یہ اس کی جیب میں تھی۔ اس کی بیوی کی تصویر۔ ساتھ میں ایک بچی بھی ہے۔ دو لوگ... دو لوگ تھے اس کی فیملی میں۔ میں نے جس کی جان لی وہ ایک باپ بھی تھا۔''

''وہ ایک قاتل تھا۔'' خاور ناگواری سے بولا۔

''وہ... ایک... انسان تھا...'' سعدی نے آنکھیں اس کی طرف موڑیں تو وہ سرخ تھیں' مگر خشک تھیں۔ ان میں اس وقت بہت سے جذبات

تھے۔ دکھ، غصہ، گلٹ، بےبسی۔ اور ان میں اس وقت کچھ بھی نہیں تھا۔

''تو پھر مبارک ہو سعدی یوسف۔ آج سے تم بھی ہم جیسے قاتلوں میں شامل ہو گئے ہو۔'' خاور بگڑ کر کہتا باہر نکل گیا۔ سعدی نے زخمی نظروں سے اسے جاتے دیکھا تھا۔ اس کا دماغ ابھی تک شل تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

میں ایسے جمگھٹے میں کھو گیا ہوں

جہاں میرے سوا کوئی نہیں ہے

صبح دھند میں ڈوبی تھی۔ کہیں کوئی سنہری کرن ذرا دیر کے لئے جھانکتی، پھر دھند لکوں میں گم ہو جاتی۔ زمر نے اسٹڈی روم (اپنے نئے کمرے) کا دروازہ کھولا تو لاؤنج میں معمول کی گہما گہمی نظر آئی۔ صداقت ابا کی وہیل چیئر باہر لا رہا تھا۔ حسینہ انڈے پھینٹ رہی تھی۔ ندرت فریج کھولے کھڑی تھیں۔ سیم یونیفارم میں ملبوس ناشتے کے لئے دہائی دے رہا تھا۔ ایسے میں سب نے سیاہ کوٹ میں ملبوس تیار سی زمر کو اسٹڈی سے نکلتے دیکھا تھا۔ ندرت بالکل ٹھہر گئیں۔ (ابھی کل ہی تو فارس آیا تھا اور..؟)۔ ابا نے بھی چونک کر اسے دیکھا۔

''تم...ادھر تھیں؟'' ندرت نے صداقت کے باہر جانے کا انتظار بمشکل کیا اور پھر پوچھے بنا نہ رہ سکیں۔ وہ جو سیڑھیوں کی طرف بڑھ رہی تھی، مڑ کر بنا کسی تاثر کے ساتھ ندرت کو دیکھا۔ ''جی۔ مجھے دیر تک کیس اسٹڈی کرنا ہوتا ہے۔'' سادگی سے کہہ کر زینے چڑھنے لگی۔ ابا کو بالخصوص نظر انداز کیا جو بالکل خاموشی سے اسے دیکھ رہے تھے۔

زینے عبور کرتے ہوئے اسے اپنی پشت پہ سب کی، حتیٰ کہ حسینہ تک کی نظریں محسوس ہو رہی تھیں۔ ابھی وہ اوپر پہنچی ہی تھی کہ فارس (اور اس کے سابقہ) کمرے کا دروازہ کھلا اور وہ باہر نکلا۔ جینز پہ پوری آستین کا سفید سوئیٹر پہنے، وہ تازہ دم لگ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر مسکرایا۔

''السلام علیکم۔'' ایسے مسکرا کر بولا کہ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی مسکرا دی۔ (نگاہیں اب تک پشت پہ گڑی محسوس ہو رہی تھیں۔)

''وعلیکم السلام۔ میرے جانے کے بعد کتنے خوش لگ رہے ہو۔''

وہ ہلکا سا ہنسا، اور نفی میں سر ہلایا۔ پھر اس کی تیاری دیکھ کر استفسار کیا۔ ''کورٹ جا رہی ہو؟ کیوں؟''

''تمہارے کیس کی وجہ سے جتنے لوگوں کے کیسز میں نے لٹکائے ہیں نا، ان کو بھی تو دیکھنا ہے اور ہاں۔ میری فیس نہیں ادا کی تم نے؟''

فارس نے گہری سانس لی۔ ''میری دوسری جاب بھی جا چکی ہے، نئی ملتے ہی ادا کر دوں گا۔ کچھ دن کی مہلت دے دیجئے۔'' زمر نے بمشکل مسکراہٹ دبائی۔

''صرف کچھ دن!'' تنبیہہ کی اور پھر حنہ کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ فارس نیچے اتر آیا۔ ندرت ان کو نارمل دیکھ کر واپس کاموں میں لگ گئیں مگر ابا بالکل خاموشی سے کچھ سوچتے رہے۔

اس نے حنہ کے کمرے کا دروازہ کھولا تو وہ بیڈ پہ کمبل لئے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ الجھے بال، سوتی صورت، بالکل چپ سی ہوئی، گھٹنوں پہ

جسے لیپ ٹاپ کو دیکھ رہی تھی۔ زمر بیڈ کے کنارے آ بیٹھی۔ "سو ہماری اتنے مہینوں کی محنت ضائع ہوگئی۔ وہ فلیش بے کار ہے۔"

"ہوں۔" وہ غیر معمولی چپ تھی۔

"ہمیں فارس کو بتا دینا چاہیے۔ پچھلے تین چار ماہ فارس کی وجہ سے ہم کچھ نہیں کر سکتے تھے' مگر اب ہمیں سعدی کے لئے فوراً کچھ کرنا ہے۔ ہمیں وہ فلیش چاہیے ہے حنہ' کیا دیکھ رہی ہو؟"

"شیرو کا ان باکس۔ وہ رات علیشا سے بات کرتا رہا تھا۔ یاد ہے اس کو ایک دفعہ ایک لڑکی نے پٹوایا تھا۔ ہارون عبید کی بیٹی۔ آبدار عبید۔ مگر علیشا اسے بتا رہی ہے کہ اسے ہاشم نے پٹوایا تھا۔" وہ سارا قصہ سنا رہی تھی۔ پتھرائی ہوئی نظریں اب بھی اسکرین پہ جمی تھیں۔ زمر اس کے ساتھ آ بیٹھی اور غور سے ساری گفتگو پڑھنے لگی۔ (حنین نے شروع کا پورشن چھپا دیا تھا۔) اب زمر کو کیا بتائے؟

"کون ہے یہ آبدار عبید؟"

حنہ نے گوگل کر کے نتیجہ اس کے سامنے رکھا۔ وہ کسی سیمینار میں اپنے والد کے ہمراہ کھڑی تھی۔ سرخ اسکارف لئے' گرے آنکھوں والی خوبصورت لڑکی جو سفید پینٹ اور بھورے کوٹ میں ملبوس تھی۔ کسی باہر کے ملک کی تصویر تھی۔

"یہ تو....." وہ کہتے کہتے چپ ہوگئی۔ اب حنین کو کیا بتائے؟

نیچے آئی تو فارس' ندرت' اور اسامہ کچن میں گول میز کے گرد ناشتہ کر رہے تھے۔ سیم بولے جا رہا تھا اور فارس مسکرا کر سن رہا تھا۔ ایسے میں ابا لاؤنج کے دوسرے کنارے بیٹھے تھے۔ چپ' بالکل چپ۔ زمر نے اپنا کپ لیا اور ان کے ساتھ آ بیٹھی۔

"ہم ٹھیک ہیں۔ آپ نے دیکھ تو لیا ہے۔" قدرے بے نیازی سے شانے اچکا کر کپ لبوں سے لگا لیا۔

ابا نے انہی سنجیدہ خاموش نظروں سے زمر کو دیکھا۔ "میں نے دیکھا ہے۔ تم دونوں نارمل طریقے سے باتیں کر رہے تھے۔ میں تمہیں بتاؤں اس کا کیا مطلب ہے؟ اس کا مطلب ہے' یہ سب پہلے دن سے چلا آ رہا ہے۔ اب تم لوگ عادی ہو چکے ہو۔"

ان کے لہجے میں کیا کیا نہیں تھا۔ چائے اس کو اندر تک تیزاب کی طرح جلا گئی۔ وہ بالکل سن رہ گئی تھی۔ پھر بنا کچھ کہے باہر نکل گئی۔

اوپر اپنے بیڈ میں بیٹھی حنین اسی سطر کو بار بار پڑھے جا رہی تھی جو شیرو نے علیشا سے کہی تھی۔

بھائی شادی کر رہا ہے..... بھائی شادی... بھائی.....

شیخ کی دوا... اپنی ٹیچر کی دعا... فجر کی قضا صلوٰۃ... سب اس کے ذہن سے محو ہو چکا تھا۔ اس کی ساری دنیا برف ہوگئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

میری کشتی کو بھلا موج ڈبو سکتی تھی؟

میں اگر خود نہ شریک کف دریا ہوتا

قصرِ کاردار بھی اس صبح دھند میں ڈوبا تھا۔ اپنے کمرے میں سنگھار میز کے سامنے کھڑا ہاشم' اپنے عکس کو دیکھتے ہوئے' ٹائی کی گرہ لگا رہا

تھا۔ چہرے پہ سنجیدگی تھی۔ گیلے بال پیچھے کو برش کیے وہ اب بہتر لگتا تھا گویا پچھلے چند ماہ کی بے سکونی دھیرے دھیرے عنقا ہو رہی تھی۔ تبھی اس کا فون بجا۔ اس نے سنگھار میز پہ رکھے موبائل کا اسپیکر آن کیا اور کف لنکس اٹھاتے ہوئے بولا۔ ''ہاں بولو فصیح۔''

''سر.. رات میں آپ کا فون آف تھا' میں بتا نہیں سکا۔ سعدی نے ایک گارڈ کو قتل کر دیا ہے۔''

کف لنک کو کف پہ ٹھیک کرتی اس کی انگلیاں ٹھہر گئیں۔ لمحے بھر کے لیے وہ منجمد ہو گیا۔ ''قتل؟''

''گارڈ اس کے کمرے میں گیا' اور کچھ دیر بعد اس کی وہاں سے لاش ملی۔ زہر کے انجکشن سے مارا گیا ہے اسے۔''

''کیسا انجکشن؟'' وہ چونکا۔

''ہم نے بہت ڈھونڈا مگر انجکشن نہیں ملا۔ اس کے پاس سے کچھ بھی نہیں ملا۔''

''فصیح' میری بات کان کھول کر سنو۔'' وہ بولا تو آنکھوں میں غصہ اور چہرے پہ سختی در آئی تھی۔ ''اگر مجھے کبھی یہ علم ہوا کہ تم خاور یا سعدی کو میرے خلاف... کسی بھی طرح... استعمال کرنا چاہتے ہو' تو میں جو تمہارے ساتھ کروں گا' وہ تمہاری سات نسلیں یاد رکھیں گی۔''

''سر' ہم خود شاکڈ ہیں کہ انجکشن....''

''اوہ شٹ اپ! بے وقوف سمجھ رکھا ہے تم نے مجھے؟'' وہ غرایا۔ ''زہر تم لوگوں کے علاوہ کون دے سکتا ہے اسے؟''

''سر آپ یقین کیجیے' میں....''

''سعدی یوسف کبھی کسی کو قتل نہیں کر سکتا' مجھے کیا معلوم اس نے ایسا اپنے بچاؤ میں کیا ہے یا تم اپنے کیے گئے قتل اس پہ ڈال رہے ہو۔ کل رات سے پہلے مجھے وہ انجکشن چاہیے۔ ورنہ میں تم سب کو زمین میں گاڑھ دوں گا۔''

فون بند کیا تو اس کا موڈ سخت خراب تھا۔ اسٹینڈ سے اٹھا کر کوٹ پہنا اور آئینے میں خود کو دیکھتے پرفیوم گردن پہ چھڑکی۔ تبھی دروازہ بنا کسی دستک کے کھلا۔ ہاشم نے ناگواری سے چوکھٹ کو دیکھا۔ وہاں نوشیرواں کھڑا تھا۔ شب خوابی کی ٹی شرٹ میں ملبوس' وہ سرخ آنکھوں سے اسے دیکھتا چند قدم اندر آیا۔

''میں اس وقت بات کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں' شیرو!'' وہ مڑ کر خراب مزاج سے کہتا ٹائی پن ٹائی پہ لگانے لگا۔

''وہ کون تھا؟'' وہ اتنی عجیب آواز میں غرایا کہ ہاشم نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ ماتھے پہ سلوٹیں پڑیں۔ ''تمہارے مینرز کہاں ہیں شیرو؟''

''شیرو!'' جواہرات اوپر کسی کام سے آئی تھی۔ کھلا دروازہ دیکھ کر اور شیرو کی آواز سن کر وہ متعجب سی چوکھٹ میں آ کھڑی ہوئی۔

''وہ لڑکا جس نے مجھے یونیورسٹی میں پیٹا تھا۔ وہ کون تھا؟''

ہاشم کے ابرو بھنچے۔ تاثرات میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔ صرف ٹائی پن کو جوڑتی انگلیاں سختی سے بھنچ لیں۔ ''تم نے مجھے کبھی ایسے کسی لڑکے کے بارے میں نہیں بتایا۔''

''مگر آپ جانتے تھے۔'' وہ چلایا۔ ''آپ نے اسے بھیجا تھا مجھے مارنے۔ کیونکہ میں نے.... آپ کی آبدار کو کالز کی تھیں...''

"شیرو! تمہیں کس نے کہا ہے یہ؟" جواہرات محتاط آواز میں کہتی اس کے قریب آئی۔ نوشیرواں نے پلٹ کر صدمے اور دکھ سے اسے دیکھا۔ "آپ بھی جانتی تھیں۔ آپ بھی اس میں شامل تھیں۔ اور وہ آپ کا شوہر بھی..."

"نوشیرواں!" ہاشم گرجا تھا۔ غصے سے آنکھیں سرخ ہوئیں۔

"میرے اوپر مت چلاؤ۔ نہیں تھا وہ میرا باپ۔ جو ایک بیٹے کو دوسرے سے پٹوائے' وہ میرا باپ نہیں تھا۔" وہ حلق پھاڑ کر چلایا تھا۔

"تمہیں کس نے بتایا یہ سب؟ آبی نے؟" جواہرات نے اس کا بازو تھامنا چاہا مگر وہ دو قدم دور ہٹا۔

"میرے قریب مت آئیے۔ میں نے... میں نے کبھی آپ کو نہیں بتایا اس لڑکے کا' کیونکہ اس نے میری توہین کی تھی۔ اس نے... ممی اس نے مجھے اندر سے توڑ کر رکھ دیا تھا۔ اتنے سارے لوگوں کے سامنے اس نے مجھے زمین پہ گرا کر مارا تھا۔ سعدی نے مجھے نہیں بچایا' میں اتنے سال سعدی سے ناراض رہا' مگر اس کو آپ ہی نے کہا تھا دور رہنے کے لئے۔"

"میں نے اسے ایسا کچھ نہیں کہا تھا۔"

مگر شیرو نے نفی میں سر ہلایا۔ "کس منہ سے آپ لوگ مجھے الزام دیتے ہیں کہ میں نے اپنے آپ کو اغوا کر کے آپ کو دھوکہ دیا۔ میں نے دھوکہ دیا؟ شروع تو آپ... آپ سب نے کیا تھا۔" اس کی سرخ آنکھوں میں پانی تھا' اور ہاتھ غصے سے کانپ رہے تھے۔

"میں تمہاری حفاظت کر رہا تھا نوشیرواں۔ اور پچھلے کئی ماہ سے بھی میں تمہاری غلطیوں کو سنبھال رہا ہوں۔ سعدی نے رات ایک گارڈ کو قتل کر دیا ہے۔ اب مجھے اس کو بھی سنبھالنا ہے۔ (جواہرات کی گردن میں گلٹی سی ڈوب کر ابھری مگر چہرے پہ در آیا تعجب مصنوعی تھا۔ اسے خبر مل چکی تھی۔) تمہارے پیچھے میں کتنا خوار ہوا ہوں' اندازہ ہے تمہیں؟" وہ ڈپٹ کر بولا تھا۔

"آپ ہمیشہ اپنا دفاع دوسرے پہ چڑھائی کر کے کرتے ہیں۔ جیسے ہر دفعہ میری غلطی ہو۔ مگر اب نہیں۔"

"شیرو! ڈیڈ نے ایک دفعہ مجھے بھی پولیس کے حوالے..."

"بس کر دیں میرے ساتھ جھوٹ بولنا۔" وہ چیخا تھا۔ "اسی طرح... اسی طرح ڈنر ٹیبل پہ بیٹھ کر فارس کے خاندان کو اپنے پاس کھانے پہ بلا کر ...آپ دونوں ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جھوٹ بولتے ہیں۔"

ہاشم کا ہاتھ بے اختیار اٹھا تھا مگر اس سے قبل کہ وہ نوشیرواں کے چہرے پہ طمانچہ رسید کر پاتا' شیرو نے ایک جھٹکے سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"مجھے دوبارہ مارنے کی غلطی مت کرنا۔ ہاشم کاردار۔" اور اس کی کلائی کو جھٹکا دے کر نیچے گرایا۔ ہاشم منجمد رہ گیا۔ بالکل سُن۔

"شیرو!" جواہرات نے ششدر سی آواز بمشکل نکالی' مگر وہ اسے گھورتے ہوئے غرایا۔ "میرا... نام... نوشیرواں... ہے۔" اور سامنے رکھے کوٹ اسٹینڈ کو ٹھوکر ماری' وہ دیوار کی طرف لڑھکا۔ کتنی ہی چیزیں گریں۔ اور نوشیرواں غصے سے کانپتا' ہانپتا' دروازہ ٹھاہ مار کر باہر جا چکا تھا۔

چند لمحے ششدر سا سناٹا وہاں چھایا رہا۔ پھر جواہرات ہاشم کی طرف بڑھی۔ "ابھی وہ غصے میں ہے' ذرا دیر میں..."

"مجھے اکیلا چھوڑ دیں۔ ممی۔" وہ آئینے کی طرف مڑ گیا اور گھڑی اٹھا کر کھولنے لگا۔ چہرہ سپاٹ اور سخت ہو چکا تھا۔

''ہاشم...''

''آؤٹ' ممی! ناؤ!'' وہ دھاڑا تھا۔ جواہرات بے بسی سے وہاں سے نکل آئی۔ اس کی رنگت سفید پڑ رہی تھی اور آنکھوں کی جوت بجھی بجھی سی تھی۔ ایک کینہ توز نظر اس نے اس دیوار پہ ڈالی جس کے پار انیکسی تھی۔ فارس غازی جب بھی واپس آتا تھا' ان کی زندگیاں یونہی خراب ہونے لگتی تھیں۔ کل وہ آیا اور آج ہی ان کے قصر میں یہ نحوست آ گئی! اب وہ کیسے اپنے دونوں بیٹوں کو جوڑ پائے گی؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ جو پہچان میرے اخلاص کی تھی

چھین کر لے گئے احباب وہ چہرہ میرا

وہ کاغذ سامنے پھیلائے' بے توجہی سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ سامنے بند قرآن مجید رکھا تھا۔ اس کا کھلا قلم خشک ہو رہا تھا مگر صفحۂ قرطاس ابھی تک خالی تھا۔ وہ لکھ نہیں پا رہا تھا۔ وہ اب لکھ سکتا ہی نہیں تھا۔ ذہن کے اندر باہر' ہر جگہ ایک ہی منظر چھایا تھا... دو آنکھوں کی بجھتی جوت... روشنی سے اندھیرا... اس نے کبھی کسی کو اپنے سامنے مرتے نہیں دیکھا تھا۔ اور جس کو دیکھا تھا.. بس اب وہی یاد رہا تھا۔

میری نے سنہری پین سے میز بجائی تو وہ چونکا۔

''اسے سنبھال کر رکھو۔ یہ وہ آخری فیور تھا جو میں نے تمہیں دیا' سعدی!'' برہمی سے وہ بولی تھی۔

سعدی نے خالی خالی نظروں سے اس قلم کو دیکھا۔ ''میں نے.. ایک انسان کی جان لی ہے!''

''اتنا اپ سیٹ مت ہو۔'' وہ نرم پڑی۔ ''تم نے جو کیا سیلف ڈیفینس میں کیا۔ سیلف ڈیفینس ہر انسان کا حق ہوتا ہے۔''

''ہاں میری انجیو۔'' وہ تلخی سے مسکرایا۔ ''اللہ گارنٹی دیتا ہے کہ سیلف ڈیفینس میں کیے جانے والے قتل پہ گناہ نہیں ہے۔ قانون گارنٹی دیتا ہے کہ سیلف ڈیفینس جرم نہیں ہے۔ مگر کوئی یہ گارنٹی نہیں دیتا کہ اس کا 'غم' نہیں ہوگا۔ جب انسان کسی کو قتل کرتا ہے تو اس کا ایک حصہ مرنے والے کے ساتھ مر جاتا ہے۔ وہ حصہ کبھی واپس نہیں آتا میری۔ چاہے وہ قتلِ ناحق ہو' قتلِ خطا ہو' یا قتلِ دفاعِ ذات۔ قتل کا غم بہت بھاری ہوتا ہے۔'' اس نے اداسی سے کہتے رجسٹر بند کر دیا۔ پھر گہری سانس لی اور مڑ کر اسے دیکھا جو بیڈ شیٹ بدل رہی تھی۔

''ہم بہت جلد یہاں سے نکل جائیں گے میری۔ یہ سب ختم ہو جائے گا۔ تمہاری قید.. تمہاری اذیت۔'' وہ تسلی دینے والے انداز میں تکان سے کہہ رہا تھا۔ ''تم آزاد ہوگی' اور اپنے ملک جا سکو گی۔ اپنے بیٹے کے ساتھ ایک پرسکون زندگی گزار سکو گی۔ کاردارز اور ان کی محلاتی سازشوں سے دور...... تم اپنی چھوٹی سی دنیا میں واپس چلی جاؤ گی۔''

''چھوٹی سی دنیا کی بات کس نے کہی؟'' اس کے الفاظ پہ سعدی جو واپس پلٹنے لگا تھا' چونک کر دوبارہ سے اسے دیکھنے لگا۔ ''سوری؟''

میری نے چادر جھٹکی اور گھوم کر رخ اس کی جانب موڑا۔

''تمہیں کس نے کہا کہ مجھے میری چھوٹی دنیا واپس چاہیے؟ چھوٹی دنیا میں تو میں پہلے بھی تھی۔ جانتے ہو فلپائن کیسا ہے؟ میرا سارا ملک

کیسا ہے؟ لکڑی کے بنے چھوٹے چھوٹے گھر کیسے ہوتے ہیں؟ سارا دن' ساری رات کتوں کی طرح کام کرو' تب بھی دو وقت کی روٹی جتنے پیسے نہیں بن پاتے۔ جانتے ہو جب سیلاب آتا ہے وہاں تو کیسے گھر تنکوں کی طرح بہتے ہیں؟ جانتے ہو کتنا مشکل ہوتا ہے اپنے ملک کو چھوڑنا اور غیر ملک میں نوکری کے لئے جانا مگر ہم فلپائن کی عورتیں جاتی ہیں تمہارے ملکوں میں... کیونکہ بادشاہوں کے غلام خود بہت سوں کے بادشاہ ہوتے ہیں۔ کس نے کہا تم سے کہ مجھے اپنی چھوٹی سی دنیا' پرسکون زندگی' اور بے فکر ضمیر واپس چاہیے؟ مجھے اپنی جاب واپس چاہیے تھی' سعدی یوسف۔ مجھے اپنا مقام واپس چاہیے تھا۔ میں... اس محل کی... ملکہ تھی۔ وہاں میرا حکم چلتا تھا۔ میری اتھارٹی تھی۔ فلپائن کی بھوک اور غربت' خوف اور ظلم میں اپنے بچے کو بڑا کرتے میں نے ایک ہی خواب دیکھا تھا۔ پیسے کا۔ اونچے محل کا۔ میں تمہارا ساتھ اس لئے دیتی رہی کیونکہ تم نے مجھے میری پوزیشن واپس دلانے کی امید دلائی تھی۔ تمہارے ساتھ بھاگنے کا مطلب ہے میں تاعمر مفرور رہوں گی۔"

بول بول کر وہ ہانپنے لگی تھی۔ چہرہ لال بھبھوکا ہو رہا تھا اور آنکھوں میں پانی تھا۔ سعدی انہی اداس نظروں سے اسے دیکھے گیا۔

"ہم جمعرات کی رات یہاں سے بھاگ رہے ہیں۔ خاور میرے کمرے میں آئے گا اور ہم مل کر گارڈز پہ حملہ کریں گے۔ اگر تم نے چلنا ہو تو بتانا۔" سنجیدہ' نپا تلا لہجہ اور دوٹوک انداز تھا اس کا۔

میری عجیب سی کیفیات میں گھری اس کو دیکھتی رہی' پھر دروازہ زور سے بند کر کے باہر نکل گئی۔ وہ فیصلہ کر چکی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مجھے جو بھی دشمنِ جاں ملا وہی پختہ کارِ جفا ملا
نہ کسی کی ضرب غلط پڑی' نہ کسی کا تیر خطا ہوا

وہ گھر آئی تو انیکسی کی طرف جاتے مسز جواہرات کے کمرے کے پچھلے برآمدے پہ نظر پڑی۔ جواہرات وہاں اسی سرخ اسکارف والی لڑکی کے ساتھ بیٹھی تھی۔ زمر نے ایک خاموش نظر اس پہ ڈالی اور اپنے برآمدے کی سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ دروازہ کھولا تو حنین کھڑکی کا پردہ ہٹا کر تیکھی نظروں سے باہر جھانک رہی تھی۔ زمر اس کے ساتھ آ کھڑی ہوئی۔

"یہ فارس سے ملنے کورٹ آئی تھی۔ فارس نے کہا یہ اس کی گرل فرینڈ ہے۔"

حنین کے ابرو بھنچے۔ خفگی سے باہر بیٹھی لڑکی کو دیکھا۔ "آئی ڈونٹ لائیک ہر۔"

"می ٹو۔" زمر کے لبوں سے نکلا۔

"می تھری!" اسامہ پیچھے آ کھڑا ہوا تھا۔ وہ دونوں پلٹیں۔

"تمہیں کیا مسئلہ ہے اس سے؟"

"مجھے ایسی خوبصورت لڑکی نہیں پسند جو قد اور عمر میں مجھ سے بڑی ہو۔" چہک کر کہتا اندر بھاگ گیا۔ زمر اور حنین نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"ابھی خبر لیتی ہوں میں اس کی۔" حنہ دانت پیستی اس کے پیچھے لپکی تھی۔ زمر مسکرا دی۔ سعدی... وہ کچھ کچھ سعدی کی طرح ہوتا جا رہا تھا۔

سبزہ زار کے اس طرف... برآمدے میں بیٹھی آبدار نے چائے کا کپ لبوں سے لگا کر ہٹایا اور سوچتے ہوئے پوچھنے لگی۔ ''یہ کون تھی؟''

''یہ اورنگزیب کے بھانجے فارس کی بیوی ہے۔''

آبی کے دل کو کچھ ہوا مگر سنبھل کر بیٹھی رہی۔

''دیکھنے میں بس ٹھیک ہے۔ فارس زیادہ اچھا ہے۔ ہمارے گھر آیا تھا تو میں نے دیکھا تھا۔ پسند کی شادی تھی کیا؟'' سرسری سا پوچھا۔

جواہرات نے ہنس کر سر جھٹکا۔ ''میرج آف conveniene (کاغذی شادی) ہے۔ طلاق ہونے والی ہے۔ چند دن کا کھیل ہے۔''

آبی سن رہ گئی' مگر پھر... بظاہر بہت سنبھلے انداز میں پوچھا۔ ''کیا واقعی؟''

''وہ لڑکی اس سے نفرت کرتی ہے' انتقام کے لئے شادی کی تھی۔ آئے دن جھگڑے ہوتے ہیں۔ اب بھی اس کا کیس اس لئے لڑ رہی تھی تاکہ اس کو پھنسا سکے۔ مگر ششش... یہ راز ہے۔'' آخر میں رازداری سے آواز ہلکی کی اور ہنس پڑی۔

''اوہ... اس کا مطلب ہے کہ... یہ شادی ختم ہونے والی ہے؟'' آبدار کی آنکھوں میں خوشگوار سی حیرت چمکنے لگی تھی۔

''بالکل۔ اچھا تو تم کہہ رہی تھیں کہ شیرو سے تمہاری کوئی بات نہیں ہوئی اس حوالے سے؟'' جواہرات وہ بات کریدنے لگی جس کے لیے اس نے آبی کو بلایا تھا' اور آبی مسکراتے ہوئے بظاہر سن رہی تھی.... مگر.... اس کا دماغ کہیں اور تھا۔ شاید دل بھی۔

''شادی کر لو آبی!'' آخر میں جواہرات نے کہا تھا۔ اس نے مسکرا کر کپ رکھا اور نرمی سے کہنے لگی۔

''شادی زندگی کا سب سے بڑا جوا ہوتا ہے' آنٹی۔ وہیں لگانا چاہیے جہاں دل مانتا ہو۔''

''تو دل کہاں مانتا ہے تمہارا؟''

''دل...'' وہ پھر مسکرائی۔ اس مسکراہٹ میں خلوص بھی تھا' سادگی اور معصومیت بھی۔ ''بس کوئی ایسا ہو جو نڈر ہو' بہادر ہو۔ جس کو عاملِ تنویم کو hypnotize کرنا آتا ہو۔ جس کے لئے میں بڑے سے بڑا خطرہ لینے کو تیار ہو جاؤں' بدلے میں صرف ایک کپ چائے کے لئے۔ جس کا ایک فقرہ دوسروں کی تقریروں پہ بھاری ہو۔ وہ بولے تو سب سنیں۔ وہ خاموش ہو جائے تو اس کی خاموشی بھی بولے۔'' پھر ذرا مزید سنبھل کر بولی۔ ''اور جس دن ایسا کوئی مل گیا' تو اس پہ لگا unavailable کا ٹیگ بھی available میں بدل دوں گی۔''

جواہرات کو اس کی باتوں نے نہیں چونکایا تھا۔ وہ ایسی باتیں کیا کرتی تھی۔ پھر وہ اٹھ گئی تو جواہرات بھی اندر چلی گئی۔ ادھر پودوں سے ہاتھ گزارتی' مدھم آواز میں خود سے باتیں کرتی' ایرانی لڑکی دور جا رہی تھی۔ سردی سے اس کی ناک سرخ پڑ رہی تھی مگر سرمئی آنکھوں میں بے پناہ خوشی بھری چمک تھی۔ تبھی وہ رکی۔ سامنے فارس کار سے نکل رہا تھا۔ وہ اسے دیکھ کر مسکرائی۔ وہ نہیں مسکرایا۔ وہ محتاط تھا۔

''ہیلو۔'' وہ اس کے قریب آ رکی۔ فارس نے سر کے خم سے جواب دیا۔ دوپہر کا وقت تھا۔ انیکسی اور قصر کی ہر کھڑکی سے یہ منظر صاف دکھائی دیتا تھا۔

''آپ کے اوپر میرا ایک ادھار ہے۔''

"

''چائے؟''اس نے یک لفظی استفسار کیا۔

''جی ہاں۔مسٹر اینڈ مسز فارس غازی میرے اور بابا کے ساتھ چائے پئیں گے۔وقت اور جگہ میں ٹیکسٹ کردوں گی۔''

''آپ کے پاس میرا نمبر ہے؟''فارس کار لاک کرتے ہوئے بولا۔

''آپ کے پاس میرا ہے نا۔مجھے ٹیکسٹ کریں گے تو میں محفوظ کرلوں گی۔''وہ مسکرائی تھی۔فارس نے کار لاک کرتے سر کو خم دیا۔

''ایک بری خبر بھی تھی۔''وہ ذرا ٹھہری۔''اس نے آپ کا بھیجا تحفہ استعمال کرلیا ہے۔کل رات ایک گارڈ اپنی جان سے گیا ہے۔اوکے'پھر جلد ملاقات ہوتی ہے چائے پہ۔''وہ ساتھ سے نکل کر چلی گئی۔لاؤنج کی کھڑکی سے دیکھتی جواہرات نے بس سرسری ملاقات کو علیک سلیک سے زیادہ کچھ نہ سمجھا اور زمر نے ناک سکوڑ کر پردہ واپس گرا دیا۔

مگر ایک وہی تھا جو چابی کی ہول میں لگائے'وہیں ٹھہر گیا تھا۔منجمد'شل'ششدر۔پورے جسم کو کسی نے برف کے ڈھیر میں ڈال دیا تھا۔

سفید پڑتے چہرے کے ساتھ اس نے بدقت کار لاک کی'اور پھر قدم اٹھاتا...بھاری قدم اٹھاتا...انیکسی کی طرف بڑھنے لگا۔

سعدی؟قتل؟اس کا پورا جسم سنسنا اٹھا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تجھ پہ کھل جاتی مری روح کی تنہائی بھی

میری آنکھوں میں کبھی جھانک کے دیکھا ہوتا

قریباً پونے چھے برس قبل وہ ''واقعہ'' ہوا تھا'جب اس نے اپنی زندگی کی ترجیحات طے کررکھی تھیں'اور اس لحاظ سے زمر کی یونیورسٹی چھوڑنے کے سال بعد'اس نے ندرت سے کہا تھا کہ وہ زمر کے لئے رشتہ بھیج دیں۔

ان دو سالوں میں متعدد بار اس کے ذہن میں یہ واہمہ آیا کہ کہیں اس کے والدین اس کی کہیں اور شادی نہ کردیں'مگر اتنا تو وہ جان گیا تھا کہ وہ جلے دودھ کے برے تجربے کے بعد یونہی کسی کو بھی اپنی بیٹی نہ دے دیتے'غور کرنے میں یا ہاں کرنے میں بھی مہینے لگا لیتے'اور اس کی لاعلمی میں یہ سب ہوجائے'یہ ناممکن تھا'اسے خبر مل ہی جاتی تھی۔

ندرت اس کی دلچسپی کا سن کر پہلے خوش ہوئیں'پھر خاموش۔وہ ان کی آنکھیں پڑھ سکتا تھا۔وہ متامل تھیں۔اتنے برسوں کے ناخوشگوار تعلقات کے بعد ان کو اپنی ساس سے امید نہیں تھی کہ وہ ان کے بھائی کو اپنی بیٹی کا ہاتھ تھما دیں گی۔خود فارس کو اگر اپنے بارے میں کوئی خوش فہمی نہ تھی تو کوئی احساسِ کمتری بھی نہ تھا۔گو کہ اس نے ہمیشہ زمر کی عزت کی۔احترام کیا۔اسے خود سے برتر سمجھا مگر اس نے کبھی خود کو کمتر نہیں سمجھا تھا۔جس سادہ زندگی کی خواہش اسے تھی'اس میں ان پیچیدگیوں کی جگہ نہیں تھی۔

رشتہ بھجوانے کے چند روز بعد وہ آفس میں تھا جب حنین کا فون آیا۔اس نے بتایا کہ زمر اس سے ملنا چاہتی ہے'کوئی بات کہنا چاہتی ہے۔وہ یوں ایک بلاوے پہ چلے جانے کے حق میں نہیں تھا'مگر...اسے انکار کرنا بھی اچھا نہیں لگا۔وہ حنہ کے گھر آ گیا۔اسے امید تھی کہ زمر اس

کے رشتے کے حوالے سے بات کرنا چاہے گی۔ اپنے دوٹوک انداز میں، سمجھداری کے ساتھ ترجیحات، اور توقعات واضح کرے گی۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ وہ اس پرپوزل سے ان جان لگ رہی تھی۔ وہ تو اپنی ناک میں پہنی اس لونگ سے بھی ان جان لگتی تھی۔ کچھ روز قبل وہ ایک جیولر کے پاس کسی تفتیش کے سلسلے میں گیا تو اسے شوکیس میں سجی یہ ڈائمنڈ نوز پن اتنی خوبصورت لگی کہ وہ لئے بغیر نہ رہ سکا۔ بھیجتے وقت اپنا نام اس لئے نہیں لکھا کہ کسی اور کے ہاتھ لگ گئی تو تماشا نہ بن جائے۔ اس کو وہ پہنے دیکھ کر دل میں خوشگوار احساس اترا' وہاں مایوسی بھی ہوئی۔

وہ اس کی لکھائی نہیں پہچان سکی تھی۔ ایک سال پڑھا تھا وہ اس سے' کبھی تو نوٹ کی ہوگی اس نے فارس کی لکھائی۔ وہ تو فوراً پہچان لیتا' مگر وہ نوٹ نہیں کرسکی۔ اور پھر جب وہ اپنے مدعے پہ آئی' اس کے سامنے صوفے پہ بیٹھے' وہ اپنا مسئلہ بتانے لگی تو فارس غازی کے دل میں مزید مایوسی اترتی گئی۔ وہ کسی ملزم کے بھائی کی ہراس منٹ کی وجہ سے پریشان تھی۔ یہ اچھا تھا کہ ایک قریبی مرد رشتے دار ہونے کے ناتے اس نے فارس پہ بھروسہ کیا اور اس کو اپنا مسئلہ بتایا' مگر یہ اتنا اچھا نہ تھا۔ وہ مدد کی ہامی بھر کر وہاں سے اٹھ آیا۔ مگر دل میں ایک عجیب سا احساس جڑ پکڑنے لگا۔ وہ جانتی تھی اور جان کر ان جان بنتے ہوئے اس کو آزما رہی تھی؟ یا وہ جانتی ہی نہیں تھی؟ مگر یہ کیسے ممکن تھا کہ اس کو رشتہ دیے اتنے دن گزر چکے ہوں اور زمر کے والدین جو ہر بات میں اس کی رائے مانگا کرتے تھے' اس کو خبر ہی نہ دیں۔

اگلی دفعہ جب وہ ندرت کے پاس گیا تو ان سے کہا کہ وہ زمر کی والدہ سے پوچھیں۔ ہاں تو ہاں' ناں تو ناں۔ ندرت نے ایسا ہی کیا اور اپنی ساس کا جواب سن کر ان کے اندر تک خاموشی چھا گئی۔ زمر نے انکار کیا ہے اور کہتی ہے کہ وہ فارس جیسے غصہ ور اور پتہ نہیں کیا کیا آدمی کے ساتھ گزارا نہیں کرسکتی؟ سیریسلی؟ وہ بچہ تو نہیں تھا کہ اس بات پہ یقین کر لیتا۔ دو دن پہلے تک زمر اس سے مدد مانگ رہی تھی' اور اب اس کو یہ سب کہے گی؟ صاف ظاہر تھا' زمر کی امی نے ندرت سے ساری زندگی کے حساب چکتا کیے تھے۔ بیٹی سے پوچھے یا شاید بتائے ہی بغیر انہوں نے انکار کر دیا تھا۔ ندرت دوبارہ بات کرنے کے حق میں تھیں مگر وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

عزت اور غیرت سب میں ہوتی ہے۔ ان کے سامنے محبت پیچھے رہ جاتی ہے۔ اس میں بھی اتنی غیرت تو تھی کہ اگر ایک دفعہ اتنا صاف جواب مل گیا ہے تو وہ اس خاندان سے دوبارہ سوال نہیں کرے گا۔ وہ اس سے برتر تھی' مگر وہ اس سے کمتر نہیں تھا۔ اسے معلوم تھا حنین ندرت کی باتیں سن رہی تھی' اور وہ جانتا تھا کہ وہ سوچ رہی ہوگی' ماموں نے اتنی جلدی ہار مان لی؟ مگر یہ ہار جیت کی باتیں نہیں ہوتیں۔ عزت اور غیرت کی باتیں ہوتی ہیں۔ عزت دار لوگ خاموشی اور وقار سے راستہ بدل لیتے ہیں۔ اس نے بھی یہی کیا۔

فارس کو سات سو سال قبل کی ابن قیم کی لکھی کتاب پڑھنے کی ضرورت نہ تھی یہ جاننے کے لئے کہ مرضِ عشق کی دوا کیا ہے؟ ایک سمجھدار اور پریکٹیکل آدمی ہونے کی حیثیت سے اتنا تو معلوم ہی تھا کہ یہ عشق وغیرہ ٹھیک ہو جاتا ہے وقت کے ساتھ اگر انسان اس گلی جانا چھوڑ دے' اس شخص سے ملنا اور اسے دیکھنا چھوڑ دے (غضِ بصر) اور خود کو کہیں اور مصروف کر لے۔ زندگی میں کوئی نیا رشتہ آ جائے' ایک اچھی بیوی تو وہ پرانی محبت یاد بھلے رہ جائے' "تکلیف نہیں دیتی۔ مگر یہ سب صرف تب ہو سکتا ہے جب انسان کی نیت صاف ہو' اور ارادہ "آگے بڑھ جانے" کا ہو۔ جو لوگ مرضِ عشق سے شفایاب نہیں ہو پاتے' ان کی دراصل "نیت" نہیں ہوتی محبوب کی یاد کے "نشے" سے نکلنے کی۔

اور فارس نیت کر چکا تھا۔ اس نے زمر کے خاندان سے میل ملاپ چھوڑ دیا۔ زمر کی امی کی ڈیتھ ہوئی تو وہ ضرور گیا' دو چار دفعہ گیا' مگر کوشش کی کہ زمر سے سامنا نہ ہو۔ نگاہ بھٹکے گی تو دل بھٹکے گا' مگر چونکہ نیت صاف تھی' اس لئے اس کا دل پرسکون ہوتا گیا۔

اس نے زمر کو چھوڑ دیا۔ اس سے دستبردار ہو گیا اور خود کو ایک نئے انسان کی زندگی میں شامل ہونے کے لئے تیار کر لیا۔

وہ شادی سے پہلے زرتاشہ سے صرف ایک دفعہ ملا تھا۔ وہ اس کے ابو کے رشتہ دار کی بیٹی تھی۔ ایم ایس سی سائیکولوجی کر رکھا تھا اور دل سے آرٹسٹ تھی۔ رنگت خاصی گوری اور شولڈر کٹ بال بے حد سیاہ تھے۔ وہ خوبصورت بھی تھی اور طبیعت کی بھی اچھی تھی۔

جتنا زرتاشہ کو تم پہلے پڑھ چکے ہو' اس لحاظ سے اتنا تو جان گئے ہو گے کہ وہ ذرا بچگانہ' ذرا جلد باز' ذرا نخریلی ضرور تھی' لیکن اگر تم غور کرو تو یہ سارے عناصر اس میں ذرا ذرا سے تھے۔ ان کو چھوڑ کر اس میں ڈھیر ساری محبت' ڈھیر سارا اخلوص اور ڈھیر ساری خوش مزاجی بھری تھی۔

شادی سے پہلے اس نے فارس کے سامنے صرف دو شرطیں رکھی تھیں۔

میرے لئے لڑیں گے مگر مجھ سے نہیں لڑیں گے۔

اگر میں کبھی جاب کرنا چاہوں تو مجھے منع نہیں کریں گے۔

اس نے دوسری شرط مان لی تھی اور پہلی کو حالات اور خود زرتاشہ کے رویے سے مشروط کر دی تھی۔ البتہ دل میں وہ بے حد محظوظ ہوا تھا۔

زرتاشہ میں ویسے تو ہر بات زمر سے مختلف تھی' مگر ایک بات جو اس میں اور زمر میں زمین آسمان جتنا فرق کرتی تھی' وہ سادگی تھی۔ زمر سادہ نہیں تھی' اور زرتاشہ کی اس معصومیت بھری سادگی (جو بہت سے لوگوں کو اس کا بچگانہ پن اور جذباتیت لگا کرتی تھی) نے فارس کے دل سے پہلی محبت کو تقریباً ختم کر دیا تھا۔ زمر یوسف کہیں بہت پیچھے رہ گئی تھی اور جس دن وہ زرتاشہ سلیم سے زرتاشہ غازی بن کر اس کی زندگی میں آئی تھی' پہلی دفعہ یہ ہوا کہ فارس کے ذہن میں زمر کا خیال آنا بھی ختم ہوتا گیا۔

پہلی دفعہ وہ زمر کو بھولنے لگا تھا۔ عارضی طور پہ ہی سہی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہم کریں بات دلیلوں سے تو رد ہوتی ہے

اس کے ہونٹوں کی خموشی بھی سند ہوتی ہے

مگر اس وقت وہ لاؤنج میں خاموش بیٹھا' زرتاشہ کے بارے میں نہیں سوچ رہا تھا۔ نگاہیں کسی غیر مرئی نقطے پہ جمائے' وہ دور گم تھا۔ پریشان بھی تھا' اور فکرمند بھی۔ ذہن میں صرف سعدی کا خیال چکر کاٹ رہا تھا۔ یہ یقین دہانی کہ وہ ہاشم کے پاس محفوظ ہے' وہ ختم ہو چکی تھی اور پچھلے کچھ دنوں سے کوئی رات ایسی نہیں گزر رہی تھی جب سعدی کے زندہ بچ جانے کی امید نہ ٹوٹی ہو۔

فارس نے آنکھیں بند کر لیں اور سوچنے لگا۔ وہ شدید پریشانی کے باوجود گھر میں کسی سے یہ مسئلہ شیئر نہیں کر سکتا تھا۔ پچھلے دس ماہ سے وہ جس جنگ کی تیاری کر رہا تھا' وہ قریب آ پہنچی تھی' مگر اسے اس سے پہلے ایک کام کرنا تھا۔

اس نے آنکھیں کھولیں اور ادھر ادھر دیکھا۔ ندرت استری والے کپڑے الگ رکھ رہی تھیں' ابا اخبار پڑھ رہے تھے۔ حنین خاموش سی کونے میں بیٹھی تھی۔ زمر کچن میں کھڑی چائے بنا رہی تھی۔ سیم ٹی وی کے آگے جم کر بیٹھا تھا۔

''آپا۔'' اس نے سنجیدگی سے پکارا۔ آواز اتنی تھی کہ ہر کوئی چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ ''میں نے آپ کے ریسٹورانٹ سے پانچ منٹ کی ڈرائیو پہ ایک اچھا گھر ڈھونڈا ہے' کافی بڑا ہے اور قیمت بھی اچھی ہے۔''

سب ٹکر ٹکر اس کا چہرہ دیکھنے لگے۔

''جمعے کو ہم نے وہاں شفٹ کرنا ہے۔ آپ لوگ پیکنگ کر لیں۔'' اور موبائل نکالتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

ایک ششدر سے سناٹے میں سب نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ زمر بھی کچھ نہ بول سکی' حنین الگ شل۔ ندرت کو ہی ہوش آیا۔

''اور یہ گھر؟''

''میں اسے بیچ رہا ہوں۔''

''مگر کیوں؟'' ابا نے اچنبھے سے پوچھا تھا۔

''کیونکہ یہ ضروری ہے۔'' ہلکا سا مسکرا کر مگر اتنے حتمی لہجے میں بولا کہ کسی سوال کی گنجائش ہی نہ رہی۔ سب اسے ہی دیکھ رہے تھے اور وہ موبائل پہ نمبر ملاتا سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ کمرے کے دروازے پیچھے گم ہونے سے پہلے انہوں نے اسے فون کان سے لگائے کہتے سنا تھا۔

''یہ میرا نمبر ہے' اس کو آپ سیو کر لیں.....'' اور دروازہ بند ہو گیا۔ سب ابھی تک چپ بیٹھے تھے۔

پھر زمر نے مگ کاؤنٹر پہ رکھا تو کانچ کے پتھر سے ٹکرانے کی آواز پیدا ہوئی۔ حنین نے گم صم سی ہو کر اس کی طرف گردن موڑی۔

''ماموں کیا سوچ کر ایسا کہہ رہے ہیں؟''

زمر نے ہلکے سے شانے اچکائے۔ ''اس پہ بھروسہ کرو۔ وہ کہہ رہا ہے تو اس کے پاس کوئی حل ضرور ہو گا۔''

''آپ کو کب سے ان کے فیصلوں پہ بھروسہ ہونے لگا؟'' حنین نے کسی دوسرے کی پروا کیے بغیر اس کو مشکوک نظروں سے گھورا تھا۔

''جب سے میں نے اس کو کورٹ میں اپنا دفاع کرتے دیکھا ہے۔ وہ معاملات کو سدھارنا اور سنوارنا جانتا ہے۔ اگر وہ کہہ رہا ہے کہ ہم گھر بدل لیں تو ہم بدل لیتے ہیں۔ اس کو نئی جاب کی تلاش ہے' وہ اسی لحاظ سے بہتر علاقے میں شفٹ ہونا چاہ رہا ہو گا۔'' وہ رسان سے کہہ رہی تھی۔ ادھر ندرت کو اب نئی فکر نے آن گھیرا تھا۔ سامان' پیکنگ' شفٹنگ۔ کہاں سے کام شروع کریں؟

اس نے ابھی ایک گھونٹ ہی بھرا تھا کہ موبائل تھرتھرایا۔ نیا پیغام۔ ''میں اپنے برآمدے میں تمہارا انتظار کر رہی ہوں' زمر۔''

اس نے مگ وہیں دھرا اور..... تھوڑی دیر بعد وہ اٹھی گردن اور پرسکون چہرے کے ساتھ قصر کے برآمدے کے زینے چڑھ رہی تھی۔

''گڈ آفٹرنون مسز کاردار۔'' مسکرا کر جواہرات کو سلام کیا۔ جو سینے پہ بازو لپیٹے وہاں کھڑی' سلگتی آنکھیں اس پہ جمائے ہوئے تھی۔

نوشیرواں اور آبی والا معمہ حل نہیں کر سکی تو اب اصل مسئلے کی طرف آئی۔ زمر سے نپٹنا تھا اسے۔

''سو کل فارس رہا ہو کر آ گیا۔ میں نے سوچا تمہیں 24 گھنٹے دے دوں کوئی وضاحت گھڑنے کے لئے۔'' مسکراتے ہوئے ہونٹوں مگر انگارہ آنکھوں سے چبا چبا کر بولی۔ زمر نے ہلکے سے شانے اچکائے۔

''آپ کل بھی پوچھ سکتی تھیں۔''

''تو پھر بتاؤ زمر... کہ فارس... کیسے رہا ہوا؟''

''وہ اس رات ایک ایسے مردوں کے لئے مخصوص کلب میں تھا جہاں بڑے خاندانوں کے 32 مرد بھی تھے۔ یو نو.. قومِ لوط کے مرد.. اپنی ایلی بائی ثابت کرنے کے لئے اگر ہم ان لوگوں کے نام عدالت کو دیتے تو عدالت ان کو subpheona کرتی۔ (نوٹس بھیج کر حاضر ہونے کا حکم دیتی۔) ایسے میں وہ 32 عزت دار لوگ پوری دنیا کے سامنے آ جاتے' اور بے شک وہ گواہی کے وقت' مکر جاتے' کیونکہ کوئی بھی ایسی جگہ کے بارے میں گواہی نہ دیتا' مگر ایک نیا اسکینڈل کھڑا ہو جاتا' اور سب کی بدنامی ہوتی۔ ان میں سے ایک سابق پراسیکیوٹر جنرل کا بیٹا بھی تھا۔ جج صاحب نے اس کلب کا ذکر آنے پہ سمجھا کہ موجودہ پراسیکیوٹر جنرل' پچھلے پراسیکیوٹر جنرل سے انتقام لیتے ہوئے اس کے بیٹے کے خلاف اسکینڈل بنوانا چاہتا ہے' اس لیے اس کلب میں موجود ایک گواہ یعنی فارس کو پکڑ رکھا ہے سو جج صاحب نے فارس کو رہا کرنے کا حکم دے دیا۔ بے شک وہ جج آپ کے ہاتھ میں تھا مگر کالے کوٹ والے اپنے بیٹی بھائیوں کے خلاف کم ہی کھڑے ہوتے ہیں۔''

''یہ مجھے بھی معلوم ہے زمر۔ میں پوچھ رہی ہوں کہ تمہارے ہوتے ہوئے وہ رہا کیسے ہوا؟''

''کیونکہ وہ بے گناہ تھا۔''

''تو تم نے مجھے استعمال کیوں کیا؟'' وہ تڑخ کر بولی۔

''آپ کوئی چیز نہیں ہیں جس کو میں استعمال کر سکوں۔ مجھے کچھ عرصہ قبل تک اس کی بے گناہی کا علم نہیں تھا' جب ہوا تو میں نے اس کے کیس کو درست سمت میں چلایا۔ انسان کو غم اور خوشی' دونوں میں حق بات کہنی چاہیے۔'' وہ پرسکون تھی۔

''ہاؤ سویٹ۔ اور مجھے بتانے کا ارادہ کب تھا تمہارا؟''

''جہاں تک مجھے یاد ہے' میں آپ کی ماتحت ہوں' نہ ملازمہ جو ہر بات کی رپورٹ آپ کو کروں۔''

جواہرات نے زخمی نظروں سے اسے دیکھتے نفی میں سر ہلایا۔ ''وہ برف سی عورت کہاں گئی جو انتقام کے لئے بے تاب تھی؟''

زمر چند لمحے آنکھیں سکوڑ کر اس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی۔

''شاید وہ پگھل گئی!''

''غلطی کر رہی ہو تم زمر۔ تم نے اسے جیل میں ڈالا تھا' وہ کبھی نہیں بھولے گا۔ اور اگر تم اس کے ساتھ زندگی گزارنے کا سوچنے لگی ہو تو مجھے تمہارے ساتھ ہمدردی ہے۔ کیونکہ...'' وہ دو قدم قریب آئی' اور شیرنی سی چمکتی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ ''کیونکہ تم اس کو کچھ بھی نہیں دے سکتیں۔ اولاد کتنی بڑی نعمت ہے' تم کبھی نہیں جان سکو گی۔ اور تمہارے ساتھ وہ ساری زندگی ایک محروم انسان کی طرح گزارے گا۔''

زمر کے چہرے پہ سایہ سا گزرا، پھر وہ ہلکا سا مسکرائی۔ ''جیسے اورنگزیب کا دار نے آپ کے ساتھ گزاری تھی؟''

جواہرات کا چہرہ سرخ ہوا۔ بے اختیار اس کا ہاتھ اٹھنے لگا' مگر اس نے مٹھی بھینچ لی۔ ''تم...''

''میرے کمرے کی بالکونی کو دیکھئے' وہاں فارس کھڑا ہے' اور ادھر ہی دیکھ رہا ہے۔ شکر ہے کہ آپ نے ہاتھ نہیں اٹھایا ورنہ وہ آپ کا کیا حال کرتا' مجھے یہ سوچ کر ہی آپ سے ہمدردی ہونے لگی ہے۔''

سرخ بھبھوکا چہرے کے ساتھ جواہرات نے گردن موڑی۔ وہ بالکونی میں کھڑا' آنکھوں کی پتلیاں سکیڑ کر سنجیدگی سے ادھر ہی دیکھ رہا تھا۔

''امید ہے آپ آئندہ بھی میرے ساتھ ذرا احتیاط سے بات کریں گی ورنہ میری انگلیاں بیک وقت کتنی ڈوریاں کھینچ رہی ہیں' آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا۔ گڈ آفٹر نون!'' کہہ کر وہ مڑی اور تیز تیز زینے اترتی گئی۔

جواہرات لمبے لمبے سانس لیتی' غصے میں بل کھاتی وہیں کھڑی رہی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

منزل کو نہ پہچانے رہِ عشق کا راہی

ناداں ہی سہی' ایسا بھی سادہ تو نہ تھا

ہارون عبید کی رہائش گاہ پہ سرِ شام ہی دھند اکٹھی ہونے لگی تھی۔ یخ بستہ ہڈیوں کے اندر تک گھس جانے والی ہوائیں ہر ایک کو جما رہی تھیں۔ ایسے میں داخلی دروازہ کھول کر ہارون اندر داخل ہوئے تو ہیٹر کی گرمائش سے بھرے لونگ روم میں آبی کو منتظر بیٹھے دیکھا۔

''ادھر کیوں بیٹھی ہو؟ کوئی بات کرنی ہے؟'' وہ اس کا چہرہ پڑھ چکے تھے صوفے پہ آ کر بیٹھے اور پوچھا۔

''بابا۔'' وہ جلدی سے قریب ہوئی۔ سرخ اسکارف سر پہ لپیٹ کر گردن کے پیچھے اکٹھا کر کے ڈالا تھا' اور ملائی جیسے چہرے پہ تذبذب تھا۔

''آپ میرے لئے کچھ کر سکتے ہیں؟''

ہارون نے گہری سانس لی اور موبائل نکالتے ہوئے ''بولو'' کہا' پھر عینک ناک پہ جما کر' اسکرین پہ انگلی پھیرتے' مسڈ کالز دیکھنے لگے۔

''فارس غازی... میں نے اسے چائے پہ بلایا ہے۔ بیوی کے ساتھ۔ وہ میرا مشکور تھا کہ میں اس کے لئے ایک دفعہ تھانے گئی۔ میں نے سوچا اس بہانے آپ کی بھی اس سے ملاقات ہو جائے گی۔''

انہوں نے خفگی سے اسے دیکھا۔ ''تم ہاشم اور فارس غازی کے سارے مسئلوں کو جانتی ہو۔ ایسے میں کیا ضرورت تھی اس سب کی؟''

''بابا' اس طرح زیادہ اچھا ہے نا' اس کا شک کبھی بھی آپ پہ نہیں جائے گا۔''

''مجھے اس کے شک کی پرواہ ہے بھی نہیں... خیر تم نے جانا ہو تو چلی جانا۔ میں مصروف ہوں۔''

''آپ ایک دفعہ اس سے مل کر تو دیکھیں۔ میں اس جیسے کسی انسان سے آج تک نہیں ملی بابا۔'' اس نے ملتجی انداز میں ان کے ہاتھ تھامے۔

''میں مصروف ہوں آبی' تم چلی جانا۔ اور اگر بلانا تھا تو ڈنر پہ بلا لیتیں۔ صرف چائے کیوں؟''

''نہیں بابا۔ وہ زبان کا پابند ہے۔ چائے کی بات ہوئی تھی' سو چائے ہی پینی ہے۔ خیر آپ سوچ لیں۔ میں اس کو جمعے کی شام کو مدعو کر رہی ہوں۔ وہ پورے چاند کی رات ہوگی۔ ایک بہت خوبصورت رات۔'' جلدی جلدی جوش سے کہہ کر وہ اندر کو بھاگی۔

آج اس کے پاس توجہ بٹ جانے کے شکوے تھے' نہ وقت کی کمی کی شکایتیں۔ آج وہ خوش لگتی تھی۔ معصوم اور پر جوش۔ ہارون نے بہت غور اور اچنبھے سے اسے اندر کو بھاگتے دیکھا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کوئی ہم نفس نہیں ہے' کوئی راز داں نہیں ہے

فقط ایک دل تھا اب تک سو وہ مہرباں نہیں ہے

جواہرات جب لاؤنج میں واپس آئی تو غصے سے کانپ رہی تھی۔ سیدھی اوپر ہاشم کے کمرے میں آئی۔

وہ اسٹڈی ٹیبل پہ کہنیاں رکھے بیٹھا' گردن ترچھی کیے کچھ لکھ رہا تھا۔ ریڈنگ گلاسز لگا رکھے تھے اور مصروف لگتا تھا۔

''اس دو ٹکے کی لڑکی نے میری اتنی بے عزتی کی کہ...''

''دیکھ چکا ہوں۔ میری بالکونی سے آپ کا پچھلا برآمدہ نظر آتا ہے۔'' وہ گردن کو جنبش دیے بغیر لکھتا رہا۔ جواہرات جل کر کوئلہ ہوگئی۔

''اور تم بیٹھے دیکھتے رہے؟ وہ مجھے فارس کے نام سے دھمکا رہی تھی اور تم!'' وہ غصے سے لرز رہی تھی۔

''آپ کو اسے کنفرنٹ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ ہم نے کبھی فارس سے دشمنی ظاہر نہیں کی۔ یوں وہ ہم پہ شک کرے گی اور میں یہ نہیں چاہتا۔''

''میرا دل چاہ رہا ہے میں اس کو شوٹ کر دوں اور تم کہتے ہو کہ...''

''اُف' ممی۔'' اس نے اکتا کر گردن موڑی اور بے زاری سے لال بھبوکا چہرے والی ماں کو دیکھا۔ ''ہم مزید کوئی قتل نہیں کرنے لگے۔ اب موو آن کرنے کا وقت ہے۔ دو دفعہ جیل جا کر اسے بھی سبق مل چکا ہے' اور میں بھی اب اپنی زندگی کو ایک مثبت رخ دینا چاہتا ہوں۔''

اور مڑ کر واپس لکھنے لگا۔ جواہرات اب کے چونکی۔ پھر قریب آئی۔

''کیا کر رہے ہو تم؟'' غصہ کم ہوا۔ تشویش سی در آئی۔ ہاشم کے کندھے کے پیچھے سے جھانکا تو وہ چیک بک پہ چیک سائن کر رہا تھا۔

''جمعے کو ہم نے سری لنکا میں ہونا ہے پر اہرا (پریڈ) کے لیے۔ میں اس سے پہلے ایک کینسر ہسپتال کے نام کچھ چیکس لکھ رہا ہوں۔ اور کچھ اورنگزیب کاردار کے مدرسے کے لیے۔'' وہ چیک لکھ لکھ کر الگ کر رہا تھا۔ جواہرات کی آنکھیں تعجب اور بے یقینی سے پھیلیں۔

''ایک دم سے اتنا سب کچھ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟''

''مجھے یہ کر کے خوشی مل رہی ہے ممی۔ جب آپ نے مجھے لوگوں کو قتل کرنے سے نہیں روکا تو ان کو بچانے سے بھی نہ روکیے۔'' وہ بالکل ماں کی طرف سے بے نیاز تھا۔

''اگر تمہیں لگتا ہے کہ تم یہ کر کے ایک بڑے philanthropist بن رہے ہو تو میرے نزدیک یہ گلٹی کانشس کے سوا کچھ نہیں ہے۔''

وہ تلملا گئی تھی۔ پہلے نوشیرواں اور اب ہاشم۔ ہاشم نے ناگواری سے کچھ کہنے کے لئے نظریں اٹھائیں کہ اس کا موبائل تھرتھرانے لگا۔

"بات کراؤ" وہ اسی بے نیازی سے فون سننے لگا۔ "ہاں میری بولو۔"

جواہرات جو نکلس کر جانے لگی تھی، بے اختیار ٹھہر گئی۔ پھر اسے اشارہ کیا۔ ہاشم نے اسپیکر آن کر کے فون سامنے کر دیا۔

ہزاروں میل دور کچن کا دروازہ بند کیے کھڑی میری اینجیو آہستہ آہستہ سے فون میں کہہ رہی تھی۔ "وہ جمعرات کی رات کو بھاگنے کا پلان کر رہے ہیں۔ سعدی اور خاور۔ وہ مل کر گارڈز پہ حملہ کریں گے، اور ان کو یرغمال بنا کر وہاں سے بھاگیں گے۔ آپ نے مجھے نہیں بتایا کہ ہم سری لنکا میں ہیں، مگر میں آپ کو یہ سب بتا رہی ہوں۔ اس نے مجھے بھی چلنے کی پیشکش کی مگر میں.. نہیں بھاگوں گی۔" ہاشم اور جواہرات نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ پھر ہاشم مسکرایا۔

"تمہیں کیا چاہیے میری؟ بتاؤ۔"

"مجھے صرف اپنی جاب واپس چاہیے۔ اعتماد اور بھروسے کے ساتھ۔"

جواہرات نے موبائل ہاشم کے ہاتھ سے لیا اور جب اس میں بولی تو چہرے پہ ڈھیروں اطمینان تھا۔

"تم نے میرا اعتماد کما لیا ہے میری۔ چند دن میں ہم تمہیں واپس لے آئیں گے۔" ذرا ٹھہری۔ "زہر کے انجیکشن کا کچھ معلوم ہو سکا ہے؟"

"نہیں مسز کاردار۔ اس بارے میں، میں کچھ نہیں جانتی۔" اور میری اینجیو جتنی مجبور اور مضطرب سہی، وہ یہ بات ان کو نہیں بتا سکتی تھی مگر جواہرات مطمئن ہو چکی تھی۔ سو اسے شاباشی دے کر فون ہاشم کو تھما دیا۔

"تم خاموشی سے ان پہ نظر رکھو میری۔ باقی میں سنبھال لوں گا۔" کہتے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ جواہرات چونکی۔ "کدھر؟"

"ہارون عبید سے دو ٹوک بات کرنے۔" وہ سختی سے بولا تھا۔ جواہرات کا عارضی اطمینان عنقا ہونے لگا مگر پھر جی کڑا کر کے بولی۔ "شیور۔ ہم ساتھ جائیں گے۔ میں تیار ہو لوں۔" اور باہر نکل گئی۔ اس کا ذہن تیزی سے جمع تفریق کرنے لگا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کچھ نہ کہنے سے بھی چھن جاتا ہے اعزازِ سخن

ظلم سہنے سے بھی ظالم کی مدد ہوتی ہے

جواہرات کے پاس سے آنے کے بعد سے زمر، ندرت کے کمرے میں کھڑکی کے پاس کرسی ڈالے چپ چاپ بیٹھی تھی۔ جو کہہ آئی، وہ تو جواہرات نے سن لیا، مگر جو خود اس نے سہا، وہ الگ داستان ہوئی۔ حنہ اس کے ساتھ نیچے کارپٹ پہ بیٹھ گئی اور لیپ ٹاپ گود میں رکھے، اسی فلیش کو لگائے، پھر سے کوشش کرنے لگی۔ گاہے بگاہے نظر اٹھا کر اس کو بھی دیکھ لیتی۔

"آپ اپ سیٹ ہیں؟"

"پتہ نہیں۔" وہ بے زار تھی۔ بیٹھی لب کاٹتی رہی۔

''کوئی مسئلہ ہے تو فارس غازی ساتھ والے کمرے میں ہیں۔ ان کے پاس یقیناً حل موجود ہوگا۔''

''شٹ اپ!'' خفگی سے رخ بھی موڑ لیا۔ حنہ مسکراہٹ دبائے اسکرین کو دیکھنے لگی۔ ''اچھا سنیں۔'' تھوڑی دیر بعد اس نے پکارا۔ ''یہ وہی فلیش ہے جو بھائی نے سونیا کی برتھ ڈے نائٹ پہ چرائی تھی۔ یعنی کہ اس میں ہاشم (اب نام لیتے ہوئے بھی عجیب محسوس ہوتا تھا) کے کمپیوٹر کا ڈیٹا کاپی تھا۔ مگر وہ ڈیٹا اب اس کے اندر کیوں نہیں ہے؟ اس کی جگہ بھائی نے اس کے اندر فروزن کیوں ڈال رکھی ہے؟ اگر ڈیٹا اندر نہیں ہے تو یہ وہ فلیش نہیں ہے۔ اور اگر یہ وہ فلیش نہیں ہے تو خاور کے اسٹائل کی انکرپشن کیوں؟ اف۔'' مگر زمر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ کھڑکی کا پردہ ذرا سا سرکا کر وہ دور نیچے دیکھ رہی تھی۔ حنین بھی پیچھے کو گھومی۔ وہاں جواہرات اور ہاشم زینے اتر کر سبزہ زار پہ کھڑی کار کی طرف بڑھتے دکھائی دے رہے تھے۔ (حنہ نے فوراً رخ موڑ لیا)۔ وہ دونوں کہیں جانے کے لیے تیار لگتے تھے۔ دوسری طرف سے نوشیرواں آتا دکھائی دیا۔ ہاشم اسے نظر انداز کر کے آگے بڑھ گیا۔ جبکہ جواہرات... اسے بے بسی سے دیکھ کر ہاشم کے ساتھ ہولی۔ زمر کی آنکھیں چھوٹی ہوئیں۔

''جب علیشا نے نوشیرواں کو بتایا کہ ہاشم نے اسے پٹوایا تھا تو اس نے آگے سے کیا کہا؟''

''کچھ نہیں۔ تب سے علیشا کو میسج نہیں کیا اس نے۔ لوزر کے دل پہ بہت زور سے لگی ہے۔'' وہ ہلکا سا ہنسی۔ اندر کچھ ٹوٹا تھا۔ وہ گفتگو صرف شیرو کے دل پہ تو زور سے نہیں لگی تھی۔ مگر پھر ہر خیال ذہن سے جھٹک کر زمر کو دیکھا۔

''آپ اتنی زرد کیوں لگ رہی ہیں؟ مجھے کیوں لگتا ہے کہ دن بدن آپ کی صحت بگڑ رہی ہے۔'' کوئی وہم سا تھا اسے۔ زمر سنجیدگی سے اس کے ساتھ کرسی کھینچ کر بیٹھی۔ اسے کسی کو تو بتانا تھا۔ مگر حسب توقع اگلے دس منٹ اس کو شاکڈ اور پریشان سی حنہ کو یہ تسلی دینے میں لگے کہ وہ ٹھیک ہو جائے گی اور یہ کہ فارس نے ڈونر ڈھونڈ لیا ہے۔

''کون ہے ڈونر؟'' حنہ نے بے تابی سے پوچھا۔

''اس نے نہیں بتایا۔ مجھے ڈونیٹ کرنے والے لوگ جانے کیوں خفیہ رہنا پسند کرتے ہیں۔'' شانے اچکا کر رہ گئی۔

حنہ ایک دم چونکی۔ ''کیا پتہ ماموں خود... زمر...''

''اوہ پلیز، فضول باتیں نہ کرو۔'' وہ بے زار ہوئی مگر حنہ سارا غم بھول کر ایک دم پر جوش ہو گئی تھی۔

''ہو سکتا ہے وہ خود ڈونر ہوں۔ وہ آپ کو بہت پسند کرتے ہیں۔''

''ناممکن۔ وہ ایسا نہیں کر سکتا۔'' زمر نے ناک سے مکھی اڑائی تھی۔

''کیوں نہیں کر سکتے۔ وہ بہت اچھے ہیں، اور ان کا دل اتنا بڑا ہے کہ...''

''اس کا بلڈ گروپ اے پازیٹو ہے، میں او نیگیٹو ہوں۔ وہ مجھے کبھی ڈونیٹ نہیں کر سکتا حنین۔'' اس نے بڑے رسان سے حنین کی بڑھتی جذباتیت کو روکا۔ وہ ایک دم جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔ ''اوہ۔'' زمر اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''میں آتی ہوں۔'' اور حنہ کو ایک دفعہ پھر زمر کی صحت کی فکر ہونے لگی، لیکن وہ ظاہر کرتی تو زمر اسے بتانے پہ پچھتاتی سو چپ بیٹھی رہی۔

زمر ہاشم کے کمرے کی پچھلی سیڑھیاں چڑھتی اوپر آئی تو جانتی تھی کہ ہاشم اور جواہرات گھر سے جا چکے ہیں۔ (اسے اپنی پشت پہ بالکونی میں بیٹھے فارس کی نگاہیں محسوس ہو رہی تھیں مگر نظر انداز کیے رہی۔) اس نے نوشیرواں کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ خلافِ توقع وہ فوراً کھل گیا۔ اسے چوکھٹ میں ایستادہ دیکھ کر شیرو کے ابرو اٹھے۔ ''ڈی اے؟ ہیلو!''

''مجھے کچھ کام کرنا ہے۔'' اپنی نوٹ بک اور فائلز دکھائیں۔ ''ہاشم کی لائبریری سے پی ایل ڈی دیکھ سکتی ہوں؟''

''شیور۔'' وہ پہلے اسے اسٹڈی کا رستہ بتانے لگا۔ پھر خود ہی باہر آیا اور ہاشم کے کمرے کے اس طرف اسٹڈی کی گلاس وال سلائیڈ کی۔ سامنے ریکس اور میزیں نظر آ رہی تھیں۔ زمر اندر آئی، میز پہ اپنی چیزیں رکھیں، اور سامنے ریک سے سیاہ جلدی والی کتابیں دیکھنے لگی۔

''مجھے صرف پندرہ منٹ لگیں گے۔ تم یہیں بیٹھ جاؤ۔'' اسے جاتے دیکھ کر مصروف انداز میں پکارا۔ وہ ٹھٹک کر رکا۔

''آپ کر لیں آرام سے۔''

''یہ PLDs ہیں، قیمتی کتابیں ہیں، کل کو کوئی آگے پیچھے ہوئی تو میرا نام نہ آئے، اسی لیے کہہ رہی ہوں۔''

''آپ کا نام کیوں آئے گا؟''

''چند ماہ پہلے ہمیں روک کر تلاشی لینی چاہی تھی خاور نے کسی نیکلیس کے لیے۔'' وہ دو کتابیں لائی اور کرسی کھینچتے ہوئے اسے یاد دلایا۔

''اوہ یس۔ ہم تو ہیں ہی برے لوگ۔'' شیرو نے کندھے جھٹکے۔ بیٹھا نہیں۔ کھڑا رہا۔ پھر مروتاً پوچھا۔

''آپ کو کچھ چاہیے؟''

''اوہ تھینک یو۔ کیا تم مجھے ان تمام سالوں کے کیسز اس کتاب میں سے ڈھونڈ دو گے؟ یہ لو۔'' ایک کتاب اس کے سامنے دھری۔ وہ مصروف نظر آ رہی تھی۔

''میرا مطلب تھا، چائے یا کافی۔''

زمر قلم ہونٹوں میں دبائے نفی میں سر ہلا کر پڑھنے لگی۔ وہ گہری سانس لے کر کرسی کھینچ کر بیٹھا، کتاب کھولی اور مطلوبہ کیسز کی لسٹ دیکھی۔ بالکونی میں بیٹھے فارس کو سامنے اسٹڈی کی کھلی گلاس وال سے وہ دونوں میز کے گرد بیٹھے صاف نظر آ رہے تھے۔ وہ خاموشی سے ان کو دیکھتا رہا۔ (یہ ادھر کیا کر رہی ہے؟) وہ اس کا دماغ پڑھنا چاہتا تھا مگر نہیں پڑھ پا رہا تھا۔ جانتا تھا کہ زمر کاردارز کی حقیقت سے واقف ہے اور وہ اب بے چین ہے کیونکہ اس کے خیال میں فارس پچھلے کئی ماہ سے کچھ نہیں کر رہا سعدی کے لیے۔ (ہاں، فارس غازی تو بے کار آدمی ہے نا!)

''سو... یہ کیا ہے؟'' شیرو نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

''میں اپنے کلائنٹ کو سزا سے بچانا چاہتی ہوں۔ مرڈر کیس ہے۔ قتل اس کے چھوٹے بھائی نے کیا ہے، مگر باپ اور بھائی نے بڑے کو آگے کر دیا ہے۔'' ایک فائل اسی مصروف انداز میں شیرو کے سامنے ڈالی۔ اس نے اچنبھے سے زمر کو دیکھا۔

''مگر وہ بھائی ناکردہ جرم کا اعتراف کیوں کر رہا ہے؟''

''کیونکہ اس کے باپ اور بھائی کا اس پہ بہت زور چلتا ہے۔ انہوں نے ساری زندگی اس کو اپنی محبت کی تسلیاں دے کر کبھی بڑا ہی نہیں ہونے دیا۔ کچھ پیرنٹس ایسے بھی کرتے ہیں۔ ایک بچے کو فوقیت دیتے ہیں اور دوسرے کو لاڈ پیار دکھا کر سلائے رکھتے ہیں۔ اس کے ذمے کوئی اہم ذمہ داری نہیں ڈالتے۔ اس پہ بھروسہ نہیں کرتے۔ اس کو ہر وقت کنٹرول کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے زندگی تباہ ہو جاتی ہے اس بچے کی۔ وہ زندگی میں جو غلط فیصلے کرتا ہے اس کی وجہ اس کے وہی ماں باپ اور بہن بھائی ہوتے ہیں۔'' چند لمحے کے لیے شیرو کچھ بول نہ سکا۔

''ہو سکتا ہے وہ اس کو محفوظ رکھنے کے لئے ایسا کرتے ہوں۔'' وہ کتاب پہ خالی خالی سی نظریں جمائے آہستہ سے بولا تھا مگر زمر نے اسی مصروف انداز میں صفحے پلٹتے ہوئے کہا۔ ''کسی کی حفاظت کرنے کے لئے اسے ہرٹ کیا جاتا ہے کیا؟ جھوٹ بولتے ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ وہ یہ سب اپنے پیاروں کے لئے کر رہے ہیں۔ صرف اپنے مفاد کے لئے کیے جاتے ہیں برے کام۔ اپنے گناہ چھپانے کے لیے۔''

نوشیرواں نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ تیز تیز نوٹ پیڈ پہ کتاب سے دیکھ کر کچھ لکھتی جا رہی تھی۔

''تو آپ اپنے کلائنٹ کو... کیا کہتی ہیں؟''

''یہی کہ اسٹینڈ لے۔ اپنے لئے کھڑا ہو۔ وہ کرے جو اس کا دل چاہتا ہے۔ اور وہ کرے جو ان لوگوں کو نہیں پسند۔ پتہ ہے نوشیرواں۔'' سر اٹھا کر اس کو دیکھا اور سادگی سے بولی۔ ''تم نے کہا تم برے لوگ ہو۔ میں تمہیں بتاؤں' اب تو ہم بھی اچھے لوگ نہیں رہے۔ میں بھی وہ نہیں رہی۔ کیونکہ میں نے یہ سیکھا ہے کہ ٹیڑھے لوگوں کے ساتھ ٹیڑھے رستے اپنانے پڑتے ہیں۔ خیر اور شر کی درمیانی لکیر کو دھندلا کرنا پڑتا ہے۔'' شیرو نے خاموشی سے سر ہلایا' وہ الجھا الجھا سا تھا۔ اب وہ اس سے مطلوبہ کیسز کا پوچھ رہی تھی۔ وہ سر جھٹک کر صفحے پلٹنے لگا۔

فارس غازی ابھی تک انہیں دیکھ رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

عزم یہ شہر نہیں ہے نفسا نفسی کا صحرا ہے
یہاں نہ ڈھونڈو کسی مسافر کو ٹھیرانے والے

ہارون جب ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے تو جواہرات سامنے اونچے صوفے پہ ٹانگ پہ ٹانگ جما کر بیٹھی تھی۔ نک سک سے تیار' چہرے پہ مسکراہٹ سجائے' وہ ائیرنگ پہ مسلسل انگلی پھیر رہی تھی۔ ہاشم کارنر ٹیبل کے ساتھ کھڑا تھا اور سر جھکائے' کانچ کی بوتل سے مشروب گلاس میں انڈیل رہا تھا۔ ان کی آہٹ پا کر اس نے سر اٹھایا اور مسکرا کر ہارون کو دیکھا۔ ''شام بخیر...'' اور واپس گلاس میں مائع انڈیلنے لگا۔

''بنا اطلاع کے دو کاردارز کی آمد انسان کی شام کو بخیر نہیں رہنے دیتی۔'' مسکرا کر وہ ایک بازو صوفے کی پشت پہ پھیلا کر سامنے بیٹھے۔

''یہ محض لفاظی ہے ہارون' ورنہ تم سچ میں کاردارز کو ہلکا لے رہے ہو۔'' وہ ہارون پہ نظریں گویا گاڑھے نخوت سے بولی تھی۔

''ہماری ایسی مجال کہاں۔ کہو ہاشم۔ تم یقیناً اپنے مہمان کے متعلق بات کرنے آئے ہو!'' انہوں نے اطمینان سے اسے دیکھا۔ وہ دو گلاس اٹھائے چلتا ہوا آیا' اور پھر کوٹ کا بٹن کھولتے' سامنے بیٹھ کر ٹانگ پہ ٹانگ جمائی۔

"میں اپنے مہمان کے بارے میں بات کرنے نہیں آیا۔ میں تمہارے گارڈ کے بارے میں بات کرنے آیا ہوں۔"

جواہرات کسی پلاسٹک کی گڑیا کی طرح مسکراتے ہوئے ہارون پہ نظریں جمائے ہوئے تھی' البتہ انگلی مسلسل ائیر رنگ پہ پھیر رہی تھی۔

"میں نے جانچ پڑتال کی ہے۔ گارڈ سے سعدی کی پہلے بھی لگتی تھی۔ اس رات دونوں کا جھگڑا ہو گیا اور سعدی نے اس کو زہر دے دیا۔ زہر اس کے پاس کیسے آیا' میں معلوم کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

"میں نے بھی جانچ پڑتال کی ہے ہارون۔ اور چونکہ میں اندھا نہیں ہوں' اس لئے دیکھ سکتا ہوں کہ جو گارڈ مرا ہے وہ دوپہر کی ڈیوٹی والا تھا۔ مجھے ایک ایک گارڈ کی شکل حفظ ہے۔ ان کا بائیو ڈیٹا ازبر ہے۔ دوپہر کی ڈیوٹی والا گارڈ رات کو ادھر کیا کر رہا تھا' یہ ایک معمہ ہے' اور اس معمے کے بارے میں دو ممکنہ باتیں ہو سکتی ہیں۔" وہ بہت سکون سے کہہ رہا تھا۔ ہارون لب بھینچے' سنجیدگی سے اسے سن رہے تھے۔

"یا تو تم نہیں جانتے کہ اس کے ساتھ کیا ہوا' کیسے ہوا۔ اگر ایسا ہے تو بے فکر ہو جاؤ کیونکہ میں نے اپنے آدمی لگا دیے ہیں' اور وہ اس معاملے کی کھال اور بال تک پہنچ جائیں گے' اور میں تمہیں بروقت اطلاع کر دوں گا کہ تمہارے لوگوں میں کتنی کالی بھیڑیں ہیں۔ دوسری بات یہ ہو سکتی ہے کہ تم ہر بات سے واقف ہو' تم نے ہی میرے مہمان کو مارنے کی کوشش کی ہے اور اگر ایسا ہے تو تمہیں فکر کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ جس دن مجھے یہ علم ہوا کہ تم جانتے تھے' اور تم نے مجھے دھوکہ دیا ہے تو اس دن... میں تمہارے ہر معاملے کو "سنبھال" لوں گا۔" ایک ایک لفظ پہ زور دیا۔

"ایک دوست کے گھر جا کر اس کو دھمکانا بالکل بھی مہذب نہیں ہے ہاشم!"

"اوہ نہیں۔" اس نے مسکرا کر ناک سے مکھی اڑائی۔ "میں دھمکانے تو نہیں آیا۔ میں تو اطلاع دینے آیا تھا۔"

ہارون بھی چونکے اور جواہرات نے بھی بے اختیار گردن موڑ کر ہاشم کو دیکھا۔ "کیسی اطلاع؟"

"میں اپنے قیدیوں کو شفٹ کر رہا ہوں۔ تمہارا سیف ہاؤس اب مجھے نہیں چاہیے۔ وہ وہاں غیر محفوظ ہیں۔"

"اگر تمہیں مجھ پہ اتنا بھی اعتبار نہیں تھا' تو تمہیں ان کو میرے پاس رکھنا ہی نہیں چاہیے تھا۔" وہ بھی ٹھنڈے لہجے میں بولا۔

"ہم اعتبار کی وجہ سے ایک ساتھ کبھی بھی نہیں تھے۔ مفاد کی وجہ سے تھے۔ جس دن وہ ختم ہوا' میں تمہیں پہچانوں گا بھی نہیں۔" کوٹ کا بٹن بند کرتا وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ "میں جمعے کو کلیو میں ہوں گا۔ اپنی نگرانی میں اپنے قیدیوں کو وہاں سے لے جاؤں گا۔ تم بھول جاؤ کہ میں نے بھی ان کو تمہارے حوالے کیا بھی تھا۔"

"ہاشم درست کہہ رہا ہے۔" وہ بھی اس کے ساتھ اٹھتے ہوئے بولی۔ اس کا ذہن تیزی سے لکیریں ملانے لگا تھا۔ "ہم اپنے قیدی لے جا رہے ہیں کیونکہ تم ان کی حفاظت نہیں کر سکے۔ تم اپنے عملے کی کالی بھیڑیں تلاش کرو ہارون' یا ہم خود تلاش کر کے تمہیں آگاہ کر دیں گے۔"

اور ہارون نے ہلکا سا مسکرا کر ان دونوں ماں بیٹے کو دیکھا جو مضبوطی سے ایک دوسرے کے ساتھ کھڑے تھے۔ جواہرات کی آنکھوں میں صاف (میں تمہاری ناکامی کو "کور" کر رہی ہوں' ہارون) والے تاثرات پنہاں تھے۔

ہارون ہلکا سا سر جھٹک کر اٹھے۔ "تم مجھ سے پہلے سارے جواب تلاش کر لو گے ہاشم۔ میں انتظار کروں گا۔" وہ دونوں دروازے کی طرف بڑھے تو ہارون نے جھک کر گلاس اٹھاتے ہوئے کہا۔

"افسوس کہ تم جمعے کو یہاں نہیں ہو گے۔ فارس غازی کی فیملی کو میں نے چائے پہ مدعو کیا ہے۔ میں بھی تو دیکھوں' کون ہے یہ فارس غازی۔" مصروف سے انداز میں کہہ کر انہوں نے گلاس لبوں سے لگایا۔

وہ جو اتنی دیر ٹھنڈے مسکراتے چہرے کے ساتھ بیٹھا رہا تھا' اس حلق کو کڑوا کر دینے والے ذکر پہ ابرو تن گئے۔ جواہرات بھی چونکی تھی۔ مگر ابھی کچھ پوچھنا بے کار تھا۔ وہ تیز تیز باہر نکل گئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ممکن نہیں ہے مجھ سے یہ طرزِ منافقت

دنیا تیرے مزاج کا بندہ نہیں ہوں میں

نیا گھر کسی نے بھی نہیں دیکھا تھا' نہ فارس نے دکھانے کی پیشکش کی تھی۔ وہ بس یہی کہے جا رہا تھا کہ جمعے کو ہم نے شفٹ ہونا ہے۔ انیکسی گویا بکھری پڑی تھی۔ ہر طرف گتے' کارٹن' بیگز۔ سامان کے ڈھیر۔ ندرت' حنین' حسینہ زمر سب کاموں میں لگے تھے۔ حنین نے پیکنگ سے پہلے اپنے دوست گوگل بھائی جان سے چپکے سے بات کر لی تھی اور اب بڑے ہی سیانے انداز میں' لاؤنج کے فرش پہ بیٹھی' گتے کے کارٹن کو ڈکٹ ٹیپ سے بند کرتی کہہ رہی تھی۔ "حسینہ' نازک کراکری کو بیڈ شیٹس میں لپیٹ کر کارٹن میں رکھو۔ کپس کو صاف جرابوں میں لپیٹو۔ ایک تیر سے دو شکار۔ اور ایک جیسی چیزیں ایک ساتھ رکھو۔ ہر کارٹن کے اوپر اس کا tag لگا ہونا چاہیے کہ اس میں کیا ہے' اور سنو' یہ tag ہم نے کارٹن کے اوپری طرف نہیں لگانے' سائیڈ پہ لگانے ہیں۔"

"وہ کیوں حنین باجی؟"

"کیونکہ جب شفٹنگ ہوتی ہے تو کارٹن ایک دوسرے کے اوپر رکھ کے ڈھیر لگا دیا جاتا ہے' اب tag پڑھنے کے لیے ہم کارٹن ہٹا ہٹا کر دیکھیں گے کیا؟ اس لیے سائیڈ پہ ٹیگ لگا ہو تو ہم آسانی سے پڑھ لیں گے اور صرف وہی کارٹن نکالیں گے۔" اور حسینہ واقعی اس سے متاثر ہو رہی تھی۔ حنہ کا خبرنامہ ابھی جاری تھا۔

"ہر شخص اپنا ایک چھوٹا بیگ بنائے گا' جس میں اس کا ٹوتھ برش' تولیہ' ایک جوڑا وغیرہ ہوں گے۔ وہاں جا کر اتنے تھکے ہوں گے ہم کہ کہاں پورا سامان کھول کر چیزیں ڈھونڈیں گے۔ سو پہلے دن رات کا الگ سامان سب کے پاس ہونا چاہیے۔" وہ اونچی آواز میں کہہ رہی تھی۔

ندرت برتن پیک کرتے ہوئے بار بار اسے ایک گھوری سے نوازتیں اور طنز کرتیں۔ "شکر ہے تمہیں بھی کچھ پتہ چل گیا ہے۔" یہ الگ بات ہے کہ اندر سے وہ بہت خوش تھیں لیکن ابھی ماؤں کی وہ قسم پیدا نہیں ہوئی جو غیر شادی شدہ بیٹیوں کی تعریف ہر وقت ان کے منہ پہ کرے۔

اور حنین نے پہلی دفعہ محسوس کیا تھا کہ اسے اس گھر کو چھوڑنے کا غم' ہاشم کی ہمسائیگی چھوڑنے سے زیادہ تھا۔ (اتنا دل لگا کر اس گھر کو

صاف کیا تھا اب چھوڑ دیں؟ ماموں بھی نا!) ایک شکوہ کناں نظر اوپر ڈالی جہاں سے فارس سیڑھیاں اترتا آ رہا تھا۔ منہ میں کچھ چباتے ہوئے، وہ سوئیٹر اور جینز میں ملبوس، تیار لگ رہا تھا۔ زمر جو صوفے پہ بیٹھی ایک کارٹن پیک کر رہی تھی، نظر اٹھا کر پہلے اسے دیکھا اور پھر حسینہ کو ذرا سا اشارہ کیا۔ ''چائے...''

''اونہوں۔ وہ میں اپنی ممانی کے ساتھ پیوں گا۔'' مسکرا کر کہتا باہر نکل گیا۔

زمر ذرا سی چونکی۔ ''یہ مسز کاردار کے پاس کیوں جا رہا ہے؟'' شاید وہ اونچا سوچ رہی تھی، اسی لئے ساتھ وہیل چیئر پہ بیٹھے بڑے ابا ہلکا سا بولے۔ ''وہ ان کے ساتھ اس گھر کو بیچنے کی ڈیل کرنے جا رہا ہے۔''

زمر اور خود حنہ بھی بے اختیار مڑ کر انہیں دیکھنے لگی۔ ''آپ کو کیسے پتہ؟''

''تمہارے خیال میں وہ اور کس کو بیچے گا گھر؟ اور وہ مسز کاردار کے ساتھ صبح کی چائے کیوں پیئے گا۔'' ان کے انداز میں خفگی تھی۔ زمر خاموشی سے اٹھی، اور ان کا کوٹ اور مفلر لائی۔ ٹوپی وہ اوڑھے ہوئے تھے۔ اس نے ان کو کوٹ پہنایا، مفلر لپیٹا، اور وہیل چیئر باہر لے آئی۔

''ہمیں بات کرنی ہے ابا۔ سو واک پہ چلتے ہیں۔ میں واک کروں گی اور آپ بات۔''

جواہرات ڈائننگ ہال سے نکل ہی رہی تھی، اور احمر کو ہدایات دے رہی تھی جب اس نے دیکھا، جیبوں میں ہاتھ ڈالے فارس مسکرا کر چلا آ رہا ہے۔ اور وہ ایسے کب مسکراتا تھا؟ (احمر کو اس نے دور سے ہی ہاتھ ہلا دیا، اس نے بھی سر کے خم سے جواب دیا اور اندر چلا گیا۔)

جواہرات آگے آئی، اور بہت پیار سے ''فارس'' کہتے ہوئے اسے گلے سے لگایا۔ اور پھر اس کی کہنی میں بازو ڈالے، اسے لئے چلنے لگی۔

''مجھے دیکھ کر کتنی خوش ہوئی ہیں آپ۔ میری آنکھیں بھر آئیں۔'' وہ ہلکا سا ہنس دی۔

جب دونوں اس کی کھڑکی کے ساتھ ترچھی رکھی دو کرسیوں پہ بیٹھ گئے تو جواہرات مسکرا کر مخاطب ہوئی۔

''اگر تو تم اپنی بیوی کے بارے میں مجھ سے باز پرس کرنے آئے ہو تو...''

''میں انیکسی بیچنا چاہتا ہوں۔ خریدیں گی؟''

جواہرات لمحے بھر کو بالکل شاکڈ ہو گئی، پھر جلدی سے سیدھی ہوئی۔ ''مگر کیوں؟''

''پیسے چاہیے ہیں۔ دو دفعہ نوکری سے نکالا گیا ہے۔ اب کوئی تیار نہیں مجھے جاب دینے کے لئے۔ کاروبار شروع کرنا چاہتا ہوں۔ شاید کراچی چلا جاؤں۔ شاید ملک سے باہر۔ اب بتائیے، کتنے میں خریدیں گی؟''

اور جواہرات کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ وہ ان کی زندگی سے جا رہا تھا، دور، بہت دور۔ اور وہ گھر جو اس کی ضد تھا، وہ اب اس کو ملنے والا تھا۔

''مارکیٹ پرائس پہ!''

''نہیں آنٹی، مارکیٹ پرائس سے دس فیصد زیادہ۔''

''بالکل نہیں فارس!'' وہ نخوت سے پیچھے ہو کر بیٹھتی بولی۔ ''مارکیٹ پرائس پہلے ہی بہت زیادہ ہے۔ اس سے اوپر کوئی نہیں خریدے گا۔''

وہ ہلکا سا مسکرایا۔ ”اب مارکیٹ پرائس سے ۲۰ فیصد زیادہ!“

جواہرات کے ابرو استعجاب سے اٹھے۔ ”فارس‘ اتنی قیمت نہیں ہے اس جگہ کی کہ...“

”تیس فیصد زیادہ!“ وہ جتنا احتجاج کرتی‘ وہ اتنی قیمت بڑھاتا جاتا۔ جواہرات نے خفگی سے اسے دیکھا۔ ساری خوش خلقی عنقا ہوئی۔

”اور اگر میں خریدوں ہی نا؟ ہماری چار دیواری کے اندر کی عمارت تم کسی اور کو تو نہیں بیچ سکتے۔“

”میں جس کو بیچوں گا‘ وہ کوئی فقیر نہیں ہوگا‘ آپ جیسا دولت منداور شان و شوکت رکھنے والا ہوگا۔ آپ کا کوئی دشمن بھی ہو سکتا ہے‘ اور دشمنوں کو جائیداد کے تنازعات شروع کرنے میں بہت مزا آتا ہے۔ وہ مجھ سے دگنی قیمت پہ خریدنے کو تیار ہو جائیں گے۔ سو مارکیٹ پرائس سے تیس فیصد زیادہ‘ مسز کاردار!“ اس کا انداز حتمی تھا۔

وہ چند لمحے چپ بیٹھی اسے گھورتی رہی۔ یہ گھر تو وہ دگنی قیمت پہ بھی خریدنے کو تیار تھی۔ سو ہاتھ مصافحے کے لئے بڑھایا۔

”پچیس فیصد زیادہ‘ اور یہ فائنل بات ہے۔ اب بڑھا کر مجھے غصہ مت دلانا۔“

”کانٹریکٹ بنوائیں‘ اور مجھے دیں۔ اور آج رات تک میرے اکاؤنٹ میں ساری رقم ٹرانسفر کروا دیں۔ یہ گھر آپ کا ہے اب۔“ ہاتھ ملائے بغیر وہ اٹھ کھڑا ہوا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ نہ اس نے چائے مانگی‘ نہ جواہرات نے پلائی۔

دور... دھند لکے میں... فارس نے دیکھا کہ زمر ابا کی وہیل چیئر دھکیلتی جاتی دکھائی دے رہی تھی۔ وہ یہاں سے ان کی گفتگو نہیں سن سکتا تھا‘ لیکن اگر تم دھند کو چیرتے ہوئے ان تک پہنچو تو دیکھ سکتے ہو کہ زمر کے وہیل چیئر پکڑے ہاتھ جم رہے تھے۔ ناک بھی گلابی پڑ رہی تھی۔ ٹوپی سے نکل کر کندھوں پہ گرے گھنگھریالے بال ہوا میں اڑ رہے تھے۔

”واک کا آئیڈیا بہت برا تھا ابا‘ میں برف ہو رہی ہوں۔“

”تم عرصہ پہلے برف ہو گئی تھیں۔ شاید تمہیں خود بھی اندازہ نہیں ہے۔“ وہ خفا تھے۔ وہ دونوں ہاتھ رگڑتی ان کے سامنے آ بیٹھی پنجوں کے بل‘ وہیں گھاس پہ۔ دھند میں ڈوبے اونچے درخت ارگرد خاموشی سے اس کو دیکھ رہے تھے۔ اس کی بھوری آنکھوں میں خفگی مگر تکان تھی۔

”مجھے پتہ ہے وہ بے گناہ ہے‘ یہ بھی کہ وہ اچھا ہے‘ اور یہ بھی کہ میرا خیال رکھے گا‘ لیکن میں اس کو ڈیزرو نہیں کرتی۔ میرے پاس اس کو دینے کے لئے کچھ بھی نہیں ہے۔ میں اس کے لئے برف کی بن جاتی ہوں اور میں پگھلنا نہیں چاہتی۔“

”تو کیا تم اس کو بھی برف کا بنانا چاہتی ہو؟“

اور اس فقرے پہ تو وہ اس ٹھنڈ میں بھی اندر تک جل گئی۔ ”ابا۔“ شکایت سی ابھری بھوری آنکھوں میں۔

”تم سعدی کے لئے بھی ایسی ہو گئی تھیں۔ تم ہر وقت جمع تفریق کرتی رہتی ہو۔ خود سے باتیں فرض کر کے ان کو ذہن میں بڑھا چڑھا دیتی ہو۔ لیکن سچی محبت سے کیے گئے کام جمے ہوئے دل کو پگھلا دیتے ہیں۔ اور کچھ لوگ اس قابل ہوتے ہیں کہ ان کے لئے پگھلا جائے۔“

(حنین کو اب بھی امید تھی کہ اس فلیش میں رکھی ”فروزن“ سے شاید ہاشم کی فائلز نکل آئیں سو جس وقت وہ پیکنگ نہ کر رہی ہوتی‘ اونچی

آواز میں اولف کے ساتھ گنگنا رہی ہوتی۔ ابا بھی سارا دن وہی سنتے تھے۔ اسی لیے ''بگڑتے'' جا رہے تھے۔)

''مگر کیسے پگھلوں میں؟'' اس نے ہار مان لی تھی۔ نگاہیں دور انیکسی کی طرف جاتے فارس پہ جمی تھیں جو دھند میں دھندلا نظر آ رہا تھا۔

''یہ فریزر کیسے پگھلایا جاتا ہے؟ کیسے؟ اس کا سوئچ نکال دیا جاتا ہے' اس کا اس کی پرانی زندگی سے سارا رابطہ منقطع کر دیا جاتا ہے۔ تاکہ اس کو ماضی کی توانائی' پرانی یادیں' کچھ بھی نہ مل سکے۔ اور پھر اس کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ محبت کھلا دروازہ ہوتی ہے زمر... تازہ ہوا کو آنے دو۔ دروازہ کھول دو۔ اس نے یہ اور یہ کیا' میں نے یہ کیا' یہ سب کچھ بھول کر چند لمحوں کے لئے۔ پھر ساری برف خود بخود پگھل جائے گی۔''

وہ سنتی رہی۔ پھر تکان سے مسکرائی' اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ ابا کی بات مکمل ہوئی' اور اس کی واک۔ واپسی کا سفر خاموشی سے کٹا۔ ابا نے پھر کچھ نہیں کہا۔ وہ کہہ کر چھوڑ دیا کرتے تھے۔ پیچھے پڑ جانا اور بار بار دہرانا' اولاد کو ڈھیٹ بناتا ہے' اور ابا ایسا نہیں چاہتے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ایک ضرب اور بھی اے زندگی تیشہ بدست

سانس لینے کی سکت اب بھی مری جان میں ہے

اگلی صبح فارس غازی نے کاردار اینڈ سنز کے ہیڈ آفس میں ہاشم اور جواہرات کی موجودگی میں سائن کیے۔ اٹھ کر ان سے باری باری ہاتھ ملایا اور چند مصنوعی مبارکبادیں' اور نیک تمنائیں سن کر وہ وہاں سے چلا آیا۔ اس کے جانے کے بعد جواہرات نے ہاشم کو دیکھا۔

''وہ کراچی جانے کی بات کر رہا تھا۔ کیا واقعی وہ ہماری زندگیوں سے چلا جائے گا' ہاشم!''

''اب موو آن کرنے کا وقت ہے ممی۔ ماضی کو ماضی میں چھوڑ کر نئی زندگی شروع کرنے کا وقت ہے۔ اس کو اس کی زندگی شروع کرنے دیں۔ جیل نے اسے سارے سبق سکھا دیے ہیں۔ اب وہ انتقام اور انصاف کے چکروں سے دور رہے گا۔'' وہ کافی مطمئن لگ رہا تھا۔ میز پہ انیکسی کی چابی رکھی تھی۔ جو گڈ وِل جیسچر کے طور پہ فارس ادھر چھوڑ آیا تھا۔ یہ انیکسی ان کی ضد تھی' اور وہ اورنگزیب کاردار کی وجہ سے اتنے سال خاموش رہے تھے۔ پھر برے بھی نہیں بننا چاہتے تھے۔ اور اب... وہ ان کی جھولی میں آ گری تھی۔ کیا شاندار آغاز تھا نئی زندگی کا۔

''پراہرا پہ جانے کی تیاری کریں ممی!'' وہ سکون سے بولا تھا۔ شیرو اور سعدی کے معاملے ذہن سے ہٹا کر وہ پراہرا انجوائے کرنا چاہتا تھا۔

سری لنکا میں تین بڑے پراہرا (پریڈ) ہوتے تھے۔ تینوں ''پویا'' یعنی ماہِ کامل (پورے چاند) کی راتوں کو ہوتے تھے۔ پہلا جنوری میں ہوتا تھا۔ دوسرا فروری اور تیسرا جولائی میں۔ پجاری اور ہاتھیوں کا لشکر مندر سے شروع ہوتا اور شہر کی مختلف گلیوں کا چکر کاٹ کر اپنی منزل تک پہنچتا تھا۔ پورا شہر' اور پوری دنیا سے لوگ آ کر فٹ پاتھ پہ گھنٹوں کھڑے ہو کر پریڈ کے ان کی گلی تک پہنچنے کا انتظار کرتے تھے اور پھر اس کو گزرتے دیکھتے تھے۔ کاردارز کولمبو کا ایک پراہرا ہمیشہ دیکھنے جاتے تھے۔ شہرین پہلے ساتھ جاتی تھی لیکن اب ہاشم اس کو نہیں لے کر جا رہا تھا۔ شیرو سے اس نے پوچھا تک نہیں۔ سونی کی جان تھی ان ہاتھیوں میں۔ وہ اس کو لے جا رہا تھا جواہرات کے ساتھ' اور وہ مطمئن تھا۔

ماہِ کامل کی رات سے دو روز پہلے گارڈز سعدی اور خاور کو ان کے کمروں سے نکال کر لائے' اور ایک تیسرے کمرے کے دھاتی دروازے

کھولے، جو صرف بجلی سے کھلتے تھے، اور ان کو اندر دھکیلا۔ وہ اس کمپاؤنڈ کا میکسیکم سیکیورٹی روم تھا۔ اندر دو لوہے کے پلنگ رکھے تھے۔

''بہت جلد تم لوگوں کو اس جگہ سے منتقل کیا جا رہا ہے۔ تب تک تم ادھر رہو گے۔'' میران سے سعدی کو بتایا گیا تو وہ فوراً خاموش کھڑی میری کو دیکھنے لگا، جیسے بہت شاکڈ ہوا ہو۔

''تم نے بتا دیا ان کو؟'' میری نے نگاہیں جھکا دیں۔ خاور نے غصے سے سعدی کو دیکھا۔ ''تم نے اسے کیوں بتایا؟''

''میں سمجھا وہ بھی جانا چاہے گی۔ میری تم ایسے کیسے کر سکتی ہو؟'' وہ بے حد ہرٹ لگتا تھا۔ میری خاموشی سے باہر نکل گئی۔ اس نے اپنے کان گویا لپیٹ لیے تھے۔ جب دروازے قفل در قفل بند ہوتے گئے اور وہ دونوں تنہا رہ گئے تو سعدی اس کی طرف گھوما۔ ''تمہیں یقین ہے ہماری باتیں ریکارڈ نہیں ہو رہیں؟''

''کوئی بھی اپنی ذاتی جیل میں کیمرے، ریکارڈر یا سرویلنس نہیں لگاتا سعدی، آپ کو کیا معلوم ڈی وی آر پہ بیٹھا گارڈ بک جائے اور وہ ویڈیوز، جو آپ کے خلاف ڈیتھ وارنٹ ہیں، جا کر پولیس کو دے دے۔ پھر بھی، مجھے چیک کرنے دو۔''

خاور کام پہ لگ گیا۔ دیواروں کو چھو کر... ٹٹول کر محسوس کیا۔ کونے چیک کیے۔ پھر پلنگ کھینچ کر چڑھا اور چھت کا معائنہ کرنے لگا۔

''سو میری اینجیو نے وہی کیا جو میں نے کہا تھا۔'' سعدی گہری سانس لے کر اپنے بیڈ کے کنارے بیٹھا۔

''تمہیں اتنا یقین کیسے تھا کہ میری ان کو بتا دے گی؟''

''وہ میرے لیے ہمدردی رکھتی ہے، مگر اسے اپنی جاب واپس چاہیے تھی۔ اسی لیے میں نے اس کو یہ موقع دیا تاکہ اس کی نوکری اسے واپس مل جائے اور ہمارے بھاگنے کے خوف سے ہمیں وہ اس میکسیکم سیکیورٹی سیل میں شفٹ کر دیں۔'' کہہ کر وہ چھت کو دیکھنے لگا۔ میری کو ان دونوں نے کیسے استعمال کیا تھا، میری کو کچھ علم نہ تھا۔

''سو یہ وہ سیل ہے جہاں ہارون عبید نے اپنی بیوی کو رکھا تھا؟ اور اس کو یہاں سے نکالنے کے لیے تم نے راستہ بنایا تھا۔ ویسے کیا تم اسے نکالنے میں کامیاب ہو گئے تھے؟ کیا بنا تھا اس کا؟''

''تم میرے بیسٹ فرینڈ نہیں ہو۔ ایسے سوال مت پوچھو۔ آج رات سے ہم کام شروع کریں گے۔'' اب وہ دبی آواز میں کہتا اس کو اس کے حصے کا کام سمجھا رہا تھا، اور سعدی یوسف جانتا تھا کہ یہاں سے نکل کر بھی وہ خاور مظاہر حیات کا قیدی ہو گا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

در پیش صبح و شام یہی کشمکش ہے اب

اس کا بنوں میں کیسے کہ اپنا نہیں ہوں میں

فارس غازی اس رات جس وقت انیکسی پہنچا، پورا گھر برہنہ برہنہ سا لگتا تھا۔ خالی دیواریں۔ سامان کے پیک شدہ ڈھیر۔ کارٹن۔ زمر کے (اسٹڈی کم نئے کمرے) کے دروازے پہ رک کر اس نے دستک دی۔ پھر اسے دھکیلا۔

وہ اپنے صوفہ کم بیڈ پہ بیٹھی (جو زمین سے دو بالشت ہی اونچا تھا) فائلز سامنے پھیلائے نوٹ بک پہ کچھ لکھ رہی تھی۔ بال جوڑے میں بندھے تھے اور ایک لٹ جھک کر کاغذ کو چھو رہی تھی۔ آہٹ پہ بھوری آنکھیں اٹھائیں تو اسے چوکھٹ میں کھڑے دیکھا۔

''آ جاؤں؟'' جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا وہ سنہری آنکھیں اس پہ جمائے ذرا سا مسکرایا تھا۔

''تمہارا گھر ہے' آ دیا جاؤ۔'' وہ دوبارہ سر جھکا کر کام کرنے لگی۔ فارس دروازہ بند کر کے اندر آیا اور اس کے ساتھ بیٹھا۔

''اب یہ میرا نہیں رہا۔ میں نے بیچ دیا۔''

''تمہارے اپنے فیصلے ہیں فارس۔ کسی کو کیا اعتراض ہو گا۔''

فارس خاموش رہا۔ یہ اس کی ماں کا گھر تھا' اس کی عمر گزری تھی اس میں۔ زرتاشہ کے ساتھ گزرا وقت... اچھی بری یادیں۔ وہ لمحے بھر کے لئے وہ سب سوچنے لگا' پھر سر جھٹک کر زمر کو دیکھا۔ ''کافی پیو گی؟''

وہ سر جھکائے ذرا سا مسکرائی۔ (واہ فارس غازی! آج آپ میرے لیے کافی بنائیں گے!) اور چہرہ اٹھایا۔ ''شیور۔''

''تھینکس۔ میری کافی میں چینی مت ڈالنا' اور کافی زیادہ ہو۔'' اب وہ ٹیک لگا کر بیٹھ چکا تھا۔ زمر کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔

''ایک منٹ۔ ہم میں سے کون کافی بنا رہا ہے؟''

''زمر بی بی! ابھی میں اتنا زن مرید نہیں ہوا کہ رات کے ساڑھے گیارہ بجے' اپنی بیوی کے لئے کافی بناؤں۔ اس لئے آپ بنائیں گی۔'' وہ کبھی نہ اٹھتی مگر اس نے اسے آپ کہا تھا۔ عرصے بعد۔ اچھا لگا تھا۔ بظاہر کاغذ پٹخ کر اٹھی۔ ''صرف اس لئے بنا رہی ہوں کیونکہ میرا اپنا دل چاہ رہا ہے۔''

تھوڑی دیر بعد وہ دو بھاپ اڑاتے کپ لئے اندر داخل ہوئی' ایک اسے تھمایا' اور دوسرا خود لے کر ساتھ بیٹھی۔ فارس اکڑوں انداز میں بیٹھا تھا' اور وہ پیر اوپر سمیٹ کر' دیوار سے ٹیک لگائے ہوئے تھی۔ دونوں اپنی سوچوں میں گم گھونٹ گھونٹ کافی پینے لگے۔

''کل ہارون عبید کی چائے پہ مدعو ہیں ہم۔''

''یہ دعوت تمہاری گرل فرینڈ نے دی ہے یا اس کے باپ نے؟''

وہ ہلکا سا ہنس دیا اور کافی کا گھونٹ بھرا۔ ''وہ میری گرل فرینڈ نہیں ہے!''

''اوہ سوری' مجھے بھول گیا' تمہاری کوئی گرل فرینڈ کیسے ہو سکتی ہے۔ تمہارے تو ailibis32 تھے نا۔''

''استغفر اللہ!'' اس نے خفگی سے اسے دیکھا۔ ''میں صرف کافی پینے گیا تھا۔ صرف ایلی بائی بنانے۔ فوٹیج نکالی' پکچرز لیں اور آ گیا۔ ایسی جگہوں پہ نہیں جاتا میں۔''

''مجھے کیا معلوم۔ رات گئے تک گھر سے باہر ہوتے ہو۔ کہاں جاتے ہو کیا کرتے ہو۔'' شانے اچکا کر وہ گھونٹ گھونٹ کافی پینے لگی۔

وہ مسکرا کر رہ گیا۔ ''نارمل کپلز ایسی باتیں پوچھتے ہیں۔ ہم نارمل نہیں ہیں۔''

''سعدی کی غیر موجودگی میں ہم میں سے کسی کی زندگی نارمل نہیں ہو سکے گی۔ فارس۔'' اس نے کپ پرے رکھا اور سنجیدگی سے اس کی طرف مڑی۔ ''ہم اسے کیسے ڈھونڈیں گے اب؟ مجھے تو کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔''

''میں ڈھونڈ رہا ہوں، وہ مل جائے گا۔'' اس نے تسلی دی۔ اور زمر نے اس پہ اعتبار کر لیا۔ وہ کرنا بھی چاہتی تھی۔ پچھلے چند ماہ فارس کو جیل سے نکالنا ان کے سروائیول کا مسئلہ بن چکا تھا اور سعدی کی تلاش پس منظر میں چلی گئی تھی۔ کوئی اور چارہ بھی تو نہ تھا۔ مگر فارس کو رہا ہوئے تین دن بیت چکے تھے اور تین دن سے وہ یہی سوچ رہی تھی۔ کیا کرے؟ کیسے کرے؟

''ہارون عبید کی چائے تمہارے حلق سے اتر جائے گی، یہ جانتے ہوئے کہ اس کا ہاتھ ہے اس سب میں؟'' وہ کئی دفعہ یہ بات اس سے کہہ چکی تھی اور فارس کبھی اس پہ تبصرہ نہیں کرتا تھا۔ (ہاشم کا نام وہ نہیں لیتی تھی، وہ اسے گولی ہی نہ مار آئے!)

''میرے حلق سے بہت کچھ اتر جاتا ہے۔'' کپ اٹھائے وہ کھڑا ہو گیا۔

''کل ہم مووکر جائیں گے۔ مجھے پتہ ہے تم تھکی ہوئی ہو گی مگر چائے پہ جانا ضروری ہے۔ تیار رہنا۔'' زمر نے صرف سر ہلا دیا۔ وہ اب سوچ میں گم، گھونٹ بھرتا باہر جا رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

میرے شوق کی یہیں لاج رکھ!

وہ جو طور ہے بہت دور ہے!

وہ ایک ساکن سی شام تھی۔ سردی گویا قلفی جماتی تھی اور ہڈیوں کے اندر تک درد کر دیتی تھی۔ آسمان پہ پورا چاند چمک رہا تھا۔ ماہِ کامل۔ پویا۔ بدر۔

چینی پورے چاند کو ''فیملی ری یونین'' کی علامت سمجھتے ہیں۔ ماہِ کامل کی رات چینی خاندان کے دور مقیم بیٹے بیٹیاں لوٹ کر اپنے گھروں کو آتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ''گاؤں کے (خاندانی گھر) کے آسمان کا چاند زیادہ چمکیلا ہوتا ہے۔'' ساری دنیا کہتی ہے کہ جوڑے آسمانوں پہ بنتے ہیں، مگر چینی کہتے ہیں کہ جوڑے بنتے آسمانوں پہ ہیں مگر ان کی تیاری چاند پہ ہوتی ہے۔ ان کی لوک کہانیوں میں آتا ہے کہ چاند پہ چانگ ای نام کی پری اپنے لکڑہارے کے ساتھ رہتی ہے اور اس نے آبِ حیات پی رکھا ہے۔

بدھسٹ لوگ ماہِ کامل کو مبارک جانتے ہیں کیونکہ بدھا کی زندگی میں سارے اہم واقعات ماہِ کامل کی رات کو پیش آئے تھے۔ وہ اس رات کو انسان کی روحانی اور مذہبی زندگی کے لیے اہم سمجھتے ہیں، ان کا عقیدہ ہے کہ اس رات انسان اپنے دین کی طرف پلٹتا ہے۔

ہندوؤں کا ماننا ہے کہ چاند پانی کو چونکہ کنٹرول کرتا ہے، اس لیے ساری دنیا کو کنٹرول کرتا ہے اور وہ اس کا تعلق مقدس گائے سے جوڑتے ہیں۔ چند ادیان اس بات پہ بھی ایمان رکھتے ہیں کہ ماہِ کامل کی رات عہد لینے یا وعدے کرنے کے لیے اچھی نہیں ہے۔ طبی ماہرین کہتے ہیں کہ چاند انسانی جسم کے اندرونی پانی پہ بھی ایسے ہی اثر انداز ہوتا ہے جیسا کہ سمندر کی لہروں پہ۔ دماغی امراض یا دمے اور جلد کی

بیماریوں میں مبتلا لوگوں کی حالت اس رات زیادہ خراب ہو جاتی ہے۔ Yale میں ہونے والی ایک تحقیق یہ بھی کہتی ہے کہ پورے چاند کی رات اگر کسی کا خون بہے تو وہ عام دنوں سے زیادہ بہتا ہے۔

فرشتے کہتے ہیں کہ چاند کی چند مخصوص تاریخیں کپنگ (حجامہ) کے لیے زیادہ شفا بخش ہیں۔ اور قدیم داستانیں یہ کہتی ہیں کہ اس رات کچھ (ویئر وولف) انسان بھیڑیے بن جاتے ہیں اور صبح ہوتے ہی ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ امریکی کہتے ہیں کہ انہوں نے چاند پہ قدم رکھا تھا اور دنیا میں بہت سے کانسپریسی تھیورسٹ اس بات کو ایک ڈرامے کے سوا کچھ نہیں مانتے' اور وہ ٹھوس دلائل سے ثابت کرتے ہیں کہ آج تک کسی انسان نے چاند پہ قدم نہیں رکھا۔ نیل آرم اسٹرانگ کی موت کے ساتھ ہی یہ راز کہ انسان نے چاند تسخیر کیا تھا یا نہیں' بھی دفن ہو گیا ہے۔

اور دنیا کے سب سے عظیم انسان... ہمارے نبی محمد ﷺ نے ''ومن شر غاسق اذا وقب'' کی تشریح میں فرمایا ہے کہ ''غاسق چاند ہے'' اور ہر قرآن پڑھنے والا اس آیت کو پڑھ کر چاند کے شر سے پناہ مانگتا ہے۔

اور دنیا والوں سے بے نیاز' وہ چاندی کا تھال اس رات سرد سے آسمان پہ چمک رہا تھا۔ پورا' مکمل۔ پویا۔

فارس غازی کا خاندان ایک پوش علاقے کے اس بنگلے میں آبسا تھا۔ بنگلہ سبز بیلوں سے ڈھکا تھا اور کافی خوبصورت تھا۔ انیکسی سے کئی گنا کم قیمت' مگر اس سے کہیں زیادہ کھلا اور بڑا۔ ہر کسی کو اس کا اپنا کمرہ ملے گا' سیم اس بات پہ خوش تھا اور اب ندرت' حسینہ اور صداقت کے ساتھ مل کر سامان رکھوا رہا تھا۔ سب تھک بھی گئے تھے' اور اس وقت وہ حال تھا کہ ندرت کچھ مانگتیں تو حنہ اور سیم ایک دوسرے کو اشارہ کرتے ''تم قریب ہو' تم اٹھاؤ گے۔'' اور یہ تو بہن بھائیوں کا پرانا اصول ہے کہ ''قریب'' والا ہی کام کرے گا' سو زیادہ شامت سیم کی آرہی تھی۔

گھر کسی حد تک سیٹ ہو چکا تھا' زمر اور فارس چائے پہ جا چکے تھے۔ حنین اب صرف خالی خالی سی تھی۔ قصر کو گردن اونچی کر کے دیکھنے کی اتنی عادت ہو گئی تھی کہ اب گردن اور دل دونوں درد کرنے لگے تھے۔ اتنے دن سے نماز نہیں پڑھ رہی تھی۔ نہ ادا' نہ قضا۔ دل ویران تھا۔ سو امی کی ڈانٹ ڈپٹ کو ان سنی کر کے وہ اپنی ٹیچر کے پاس چلی آئی تھی۔ ان کا گھر چند منٹ کی واک پہ تھا۔ (یاد رہے کہ وہ اپنے پرانے علاقے میں ریسٹورانٹ کے قریب ہی آبسے تھے)۔ اب ان کے ڈرائنگ روم میں ان کے سامنے سر جھکائے بیٹھے' وہ ایک دفعہ پھر اپنی کمزوریوں کا اقرار کر رہی تھی۔ نماز کی عادت نہیں بنتی' وہ کیا کرے؟ وہ عینک اتار کر اسے دیکھ کر پوچھنے لگیں۔

''ظہر اور مغرب تو سب پڑھ ہی لیتے ہیں' لیکن عصر کس کی قضا ہوتی ہے' اور فجر اور عشاء کون چھوڑ دیتا ہے؟ کیا آتا ہے حدیث میں؟''

''منافق!'' وہ جھٹ بولی۔

''اور منافق کون ہوتا ہے؟ کافر؟ مشرک؟ ہندو؟ یہودی؟''

حنین نے نفی میں سر ہلایا۔ ''منافق کلمہ گو مسلمان ہوتا ہے' جو ایمان نہیں لاتا صرف اسلام لاتا ہے۔'' حنین کا سر جھک گیا۔ کونے میں جلتے ہیٹر کی حدت سے چہرہ دہکنے لگا۔

''چوری کرنے والا منافق نہیں ہوتا' حتیٰ کہ بدکار بھی منافق نہیں ہوتا' پھر منافق کون ہوتا ہے بھلا؟''

''جو بات کرے تو جھوٹ بولے' امانت رکھے تو اس میں خیانت کرے' لڑے تو گالی دے' وعدہ کرے تو اس کے خلاف کرے۔''

''جھوٹا' خائن' وعدہ خلاف اور بدزبان۔'' ٹیچر نے انگلیوں پہ گنوایا۔ ''یہ چاروں یا ان میں سے ایک چیز بھی کسی میں ہو تو وہ منافق ہوتا ہے۔ جھوٹ زبان سے بولا جاتا ہے' گالی زبان سے دی جاتی ہے' وعدہ زبان سے کیا جاتا ہے' امانت کی ذمہ داری زبان سے لی جاتی ہے!''

حنین نے اثبات میں سر ہلایا۔

''تو کیا چیز منافق کو نماز سے دور کرتی ہے؟''

''اس کی زبان!'' وہ چونکی۔

''جھوٹ' خیانت' بدزبانی' غلط الفاظ بولنا' بات سے پھر جانا' حیلے بہانے کرنا' غیبت کرنا کہ مسلمان کی عزت بھی ہمارے اوپر امانت ہوتی ہے' یہ سارے گناہ انسان کو دوغلا بنا دیتے ہیں۔ گندا کر دیتے ہیں۔ ان سے دور رہو گی تو نماز کے قریب آؤ گی۔ اب یہ مت کہنا کہ فلاں تو اتنا جھوٹا اور بدزبان ہے مگر فجر پڑھتا ہے۔ ہمیں کچھ نہیں پتہ کون کیسی نماز پڑھتا ہے۔ نہ کسی کو یوں جج کرنا چاہیے۔ صرف اپنا معاملہ دیکھو۔''

حنین کے اندر باہر کچھ ہل کر رہ گیا تھا' مگر وہ بولے جا رہی تھیں۔

''یہ تو ہو گیا کہ نماز سے کیا روکتا ہے۔ اب بتاؤ' نماز خود کیا ہے؟'' پچھلی دفعہ کا سوال دہرایا۔ وہ اب بھی چپ رہی۔

''یوں کرو!'' انہوں نے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔ ''وضو کر کے آؤ اور میرے سامنے ایک رکعت نماز پڑھو۔ نہیں' یہ اصلی والی نماز نہیں ہو گی' ابھی عصر کا وقت بھی داخل نہیں ہوا۔ یہ کوئی scholarly advice بھی نہیں ہے' نہ اس مشق کا تعلق دین سے ہے۔ یہ تو صرف ایک ریہرسل ہو گی۔ جیسے اصل چیز سے پہلے ہم ریہرسل کرتے ہیں نا۔ اسی طرح۔ جاؤ۔'' باتھ روم کی طرف اشارہ کیا۔ وہ متذبذب سی اٹھ گئی۔

کچھ دیر بعد وہ جائے نماز بچھائے کھڑی تھی۔ ٹیچر کا صوفہ اس کی پشت پہ تھا اور یہاں سے اس کو صرف ان کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ دوپٹہ لپیٹ کر اس نے مدھم آواز میں تکبیر تحریمہ کے لئے ہاتھ بلند کیے۔

''اللہ اکبر!'' کہہ کر اس نے ہاتھ باندھے۔ وہ ابھی تک ہیجان میں تھی۔ پیچھے سے ٹیچر کہنے لگی تھیں۔

''نماز کے لئے کھڑے ہوتے وقت تم اعتراف کرتی ہو کہ 'اللہ سب سے بڑا ہے۔'' تمہاری ہر مصروفیت ہر ضروری کام سے بڑا ہے۔ جب اس کی اذان آ گئی تو تم چھوٹی ہو گئی اور اس کی بڑائی تسلیم کر کے مصلے پہ آ کھڑی ہوئی۔'' وہ خاموش ہوئیں تو ان کی طرف پشت کیے کھڑی حنین' سینے پہ ہاتھ باندھے مدھم آواز میں پڑھنے لگی۔

''سبحانک اللھم...'' (اے اللہ' پاک ہیں آپ' اپنی تعریف کے ساتھ اور بابرکت ہے آپ کا نام اور بہت بلند ہے آپ کی شان اور آپ کے علاوہ کوئی دوسرا معبود نہیں ہے۔)

''جب نماز کی پکار آتی ہے تو تم کسی نہ کسی کام' کسی مسئلے میں الجھی ہوتی ہو۔ مگر تم سب چھوڑ کر اللہ کے سامنے آتی ہو اور اس کو کہتی ہو کہ آپ

پاک ہیں ہر عیب سے' انسانوں کی طرح نہیں جو دھوکے دیتے ہیں' دکھ دیتے ہیں' کوئی اللہ، آپ کے لیول کو نہیں پہنچ سکتا۔ میرے لئے سب سے بڑا نام آپ ہی کا ہے۔ میں آپ کے علاوہ کسی کے سامنے نہیں جھکوں گی' نہ کسی انسان کے سامنے' نہ حالات کے!''

حنین خاموشی سے سن رہی تھی' نچلا لب مسلسل کاٹتے ہوئے۔ وہ چپ ہوئیں تو وہ اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھ کر الفاتحہ پڑھنے لگی۔

''سب تعریف (سب شکر) اللہ کے لئے ہے جو رب ہے دونوں جہانوں کا۔ وہ رحمن ہے' رحیم ہے۔'' وہ ٹھہری۔

''کبھی الفاتحہ پہ غور کرو۔ یہ قرآن کا دروازہ ہے۔ اس سے گزر کر ہی قرآن ملتا ہے۔ اس میں تم اللہ کا شکر ادا کرتی ہو کہ اللہ آپ ہی دونوں جہانوں کے خالق' مالک اور مدبر ہیں۔ آپ رحمن ہیں' ساری کائنات کے لئے' چاہے کوئی مومن ہو یا کافر انسان ہو یا چرند پرند۔ اور آپ رحیم ہیں مومنوں کے لیے' رحیم یعنی بار بار رحم کرنے والا۔ آپ بار بار ہمارے گناہ معاف کر کے ہمیں ایک اور موقع دینے والے ہیں۔''

''وہ مالک ہے جزا کے دن کا۔'' الفاظ اس کے لبوں میں پھڑپھڑائے۔ وہ سر جھکائے ہاتھ باندھے کھڑی تھی۔

''جزا کا.. بدلے کا دن... یہ آیت پڑھتے ہوئے اپنے سارے گناہوں کو سوچا کرو جن کا بدلہ ایک دن تمہارے سامنے لایا جا سکتا ہے۔''

''ایاک نعبد وایاک نستعین۔'' وہ سر جھکائے' ہاتھ باندھے بہت آہستہ سے پڑھ رہی تھی۔

''اب تم کہہ رہی ہو کہ ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ تمہیں ہر نماز کی ہر رکعت میں یہ آیت پڑھنی ہوتی ہے' کیونکہ بیٹا دو نمازوں کے درمیان بہت سے معاملات آتے ہیں' مسئلے' پریشانیاں' چیلنجز۔ اللہ چاہتا ہے تم ہر نماز میں کھڑی ہو کر اس سے کہو کہ تمہیں صرف اسی کی مدد چاہیے۔ جب بار بار کہو گی تو پھر کیا وہ مدد نہیں کرے گا؟''

حنہ نے لمحے بھر کے لئے آنکھیں زور سے میچیں۔ دل پہ کوئی آنسو زور سے گرا تھا۔

''دکھایئے ہم کو سیدھا راستہ۔ ان لوگوں کا راستہ انعام کیا ہے جن پہ آپ نے۔ نہ کہ ان کا راستہ جن پہ آپ نے غضب کیا' اور نہ ان کا جو گمراہ ہیں۔ آمین!''

''ہر دو نمازوں کے درمیان تم نے بہت سے فیصلے کرنے ہوتے ہیں۔ چاہے وہ آج کیا پکانے کے متعلق ہیں' یا کسی کے گھر جاتے ہوئے کپڑے کون سے پہننے ہیں۔ اب تم کہو گی کہ نماز کا اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں سے کیا تعلق؟ مگر نہیں حنین۔ نماز کا ہماری ہر چھوٹی' ہر بڑی بات سے تعلق ہوتا ہے۔ اس آیت کا پڑھنا تمہارے ہر فیصلے کو آسان کر دیتا ہے۔''

وہ سورۃ اخلاص پڑھ کر اب رکوع میں جھک گئی۔

''سبحان ربی العظیم۔'' وہ تین دفعہ دہرا رہی تھی۔

''میرا عظیم رب بہت پاک ہے۔ یہ اعتراف اللہ کے سامنے کرنے کے لئے رکوع میں جھکنا کیوں ضروری ہے؟ مجھے نہیں پتہ نماز کی symbolic اہمیت کیا ہے' مگر بس اتنا پتہ ہے حنین' کہ رکوع میں انسان معلق ہوتا ہے۔ اس کا سر' اس کی انا اور غرور کا سرچشمہ' اس کی عزت کی علامت' اس کا سر... وہ نہ زمین پہ ہے۔ نہ اپنے کندھوں پہ کھڑا ہے' بلکہ زمین اور آسمان کے درمیان معلق ہے۔ ایسے ہی تو حالات آتے

ہیں نا زندگی میں جب ہم بالکل معلق ہوتے ہیں' تو ایسے وقت میں بھی یہ احساس ہونا... کہ "میرا عظیم رب بہت پاک ہے' یعنی وہ سب سے اوپر ہے اور وہ آپ کو دوبارہ سیدھا کھڑا کر دے گا... یہ بات ہمیں ہر روز از سر نو یاد کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔"

وہ بہت ضبط اور تحمل سے دوبارہ سیدھی کھڑی ہوئی۔

"سمع اللہ لمن حمدہ۔ ربنا ولک الحمد۔"

(سن لیا اللہ نے اس شخص کو جس نے اس کی تعریف بیان کی۔ اے ہمارے رب' سب تعریف آپ ہی کے لئے ہے۔)

"اور سیدھا کھڑے ہوتے تمہیں یہ یقین دہانی ہوتی ہے کہ جو تم کہہ رہی ہو' وہ اللہ سن رہا ہے' اور اللہ اس کی قدر کرتا ہے۔ وہ تمہیں سمجھتا ہے' تمہاری ہر چھوٹی سے چھوٹی بات کو سمجھتا ہے' اور اگر کوئی ایسا دوست مل جائے انسان کو تو اسے اور کیا چاہیے ہوتا ہے؟"

حنین نے پھر زور سے آنکھیں میچ کر کھولیں۔ نمی ضبط سے اندر ہی اتار دی۔ اور نیچے جھکی۔ گھٹنے زمین پہ لگائے۔ ہاتھ پھیلا کر سجدے کی جگہ پہ رکھے اور پیشانی ٹیکتے ہوئے مدھم آواز میں بولی۔ "سبحان ربی الاعلیٰ۔" (پاک ہے میرا برتر رب۔)

"سجدے کے استغفارات پڑھتے ہوئے تمہیں چاہیے کہ اپنے گناہوں کو یاد کرو' مگر اس امید کے ساتھ کہ وہ تمہارا رب ہے' اور وہ بہت بلند ہے' انسانوں کی طرح دل میں بغض نہیں رکھتا۔ تم معافی مانگو گی تو معاف کر دے گا کیونکہ صرف وہی معاف کر سکتا ہے۔ وہ "غافر" ہے۔ گناہوں کو ڈھانپنے والا۔ خاموشی سے ان کو ڈھانپ دے گا۔ لوگوں کو نہیں بتائے گا۔ تم اس سے کہو گی کہ کسی کو مت پتہ چلنے دیجئے' تو وہ نہیں پتہ چلنے دے گا کسی کو۔ اس سے کہہ کر تو دیکھو۔"

سجدے میں ماتھا ٹیکے بھی اس نے بہت برداشت سے گلے تک آئے آنسو اندر اتارے۔ اونہوں۔ وہ بہت مضبوط ہے' ایسے تو نہیں جذباتی ہو گی۔ پھر اللہ اکبر کہتی اٹھ بیٹھی۔ پھر دوبارہ سجدے میں گئی۔

"اور تم نے کبھی سوچا حنین... سجدے کے استغفارات میں معافی بھی ہے' اور "حمد" بھی۔ حمد یعنی تعریف اور شکر۔ سو جہاں تم اپنی ساری انا' غرور بھلا کر اللہ کے سامنے' اپنے ہی قدموں کے لیول پہ اپنا سر رکھتی ہو۔ وہاں تم صرف معافی نہیں مانگ رہی ہوتی' بلکہ شکر بھی ادا کر رہی ہوتی ہو۔ تمہاری بری عادتیں چھڑوانے کا شکر' پرانے گناہ ڈھانپنے کا شکر' تمہیں دنیا کی ہر نعمت دینے کا شکر' اور تمہیں اپنے سامنے سجدہ کرنے کی توفیق دینے کا شکر۔ یہ ہر کسی کو نہیں ملتی۔ اور آسانی سے نہیں ملتی۔" حنین اٹھ گئی۔ ضبط سے چند گہرے سانس لیتے اس نے خود کو نارمل کر لیا' اور سر جھکائے' بیٹھے ہوئے التحیات پڑھنے لگی۔

"التحیات للہ والصلواۃ والطیبات۔"

(میری ساری قولی' بدنی اور مالی عبادات صرف اللہ کے لیے خاص ہیں۔ اے نبی' آپ پہ اللہ تعالیٰ کی رحمت' سلامتی اور برکتیں ہوں۔ اور ہم پر۔ اور اللہ کے نیک بندوں پر بھی سلامتی ہو۔ میں گواہی دیتی ہوں کہ نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔"

''تم اب سلام بھیجتی ہو... اللہ کے نبیؐ پہ... اور تم ان کو گویا مخاطب کر کے کہتی ہو... سلام ہو آپ پہ یا نبیؐ... کیونکہ یہ وہی نبی ﷺ ہی ہیں جنہوں نے تمہیں نماز سکھائی ہے۔ یہ وہی ہیں جو تمہارے لیے معراج پہ بار بار واپس گئے تھے اور نمازوں کی تعداد کم کروائی تھی۔ یہ وہی ہیں جو اپنی آخری سانس تک فرماتے رہے تھے' نماز نماز نماز۔ یہ وہی ہیں جو تئیس سال تمہارے لیے ہر کسی سے لڑے تھے' تمہارے لیے انہوں نے اسٹینڈ لیا' تمہارے لیے وہ روئے' اور روزِ قیامت بھی تمہارے لیے... تمہاری امت کے لیے آواز بلند کریں گے... اور ہم لوگ کہتے ہیں' فلاں چیز صرف سنت ہی تو ہے' فرض تھوڑی ہے' اور حدیث کا کیا ہے' پتہ نہیں سچ ہو یا نہ ہو۔''

اور یہ بہت تھا۔ حنہ کے لیے اتنا بہت تھا۔ اس کے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے۔ گرم پانی سے چہرہ بھیگنے لگا۔

''پھر تم درود پڑھتی ہو۔ محمد ﷺ پہ درود اور سلام بھیجتے' ان کے اور ان کی آل کے لیے برکت کی دعا کرتے' تم ایک دم سے ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کر دیتی ہو۔ ایک دم سے.. اچانک سے... ہمارے درود کا حصہ ابراہیم بن جاتے ہیں۔ کون تھے ابراہیم؟ وہ جنہوں نے وفا کا حق ادا کیا تھا۔ وہ جن کے پاس قلبِ سلیم تھا۔ وہ جو کسی اور کے سامنے نہیں جھکے۔ بھیڑ چال کا حصہ نہیں بنے۔ اپنی عقل استعمال کی۔ اپنا اللہ خود ڈھونڈا۔ اور جب ڈھونڈ لیا تو اس کو کھویا نہیں۔ انہوں نے نہیں کھویا تو تم نے کیسے کھو دیا؟''

آنسو اسی طرح اس کے گالوں پہ بہہ رہے تھے۔ وہ زیرِ لب ''رب اجعلنی'' پڑھ رہی تھی۔

''اور اب تم دعا بھی ابراہیم علیہ السلام والی مانگ رہی ہو۔ اللہ کو ان کی دعائیں کتنی پسند تھیں کہ ان کو قرآن اور نماز میں محفوظ کر دیا۔ تم کہہ رہی ہو' اے میرے رب مجھے بنایئے نماز کا پابند' اور میری اولاد کو بھی' اے ہمارے رب، اور ہماری دعا قبول فرمائیں' اے ہمارے رب مجھے معاف کر دیں' اور میرے والدین کو بھی' اور تمام مومنوں کو، حساب کے کھڑے ہونے کے دن!''

وہ اب دائیں' بائیں چہرہ گھما کر سلام کہہ رہی تھی۔ پھر اس نے چہرہ سامنے ہی کیے رکھا۔ پیچھے نہیں موڑا۔ وہ آنسوؤں سے بھیگا تھا۔

''اگر نماز سمندر ہے تو میں تمہارے ساتھ ایک قطرہ ہی شیئر کر پائی ہوں۔ اس کا مطلب اس کی پابندی کے ساتھ ہی کھلتا جائے گا تمہارے اوپر' لیکن اگر تم اس کا مطلب سمجھ جاؤ تو یہ تمہارے اوپر آسان ہو جائے گی۔ تم اس کا انتظار کرو گی' کیونکہ تمہارے پاس ہر نماز میں اللہ سے شیئر کرنے کے لیے بہت کچھ ہو گا۔ تمہیں اس میں مزہ آنے لگے گا۔ یہ اللہ سے ''بات کرنا'' ہے۔ یہ معراج پہ عطا کی گئی تھی رسول اللہ ﷺ کو۔ معراج پہ وہ اللہ سے ہم کلام ہونے گئے تھے۔ ہم تو نہیں جا سکتے آسمانوں پہ' ہم تو طور پہ بھی نہیں جا سکتے' تو ہمارے شوقِ کلام کی لاج اللہ نے نماز کے ذریعے رکھ لی۔ ہمارا طور' ہماری معراج ہماری نماز ہے۔ اس کی عادت پکی ہونی چاہیے' کیونکہ اگر ہم اپنے بچوں کو نماز کے لیے ویسے نہیں اٹھاتے جیسے اسکول کے لیے اٹھاتے ہیں تو ہم ان کو ساری عمر کے لیے اندھے کنویں میں دھکیل دیتے ہیں۔ سردی ہو یا گرمی' بچہ تندرست ہے یا بیمار' اسے پیار سے پکارنا پڑے یا کان سے پکڑ کر بستر سے کھینچ کر نکالنا پڑے' اسے اٹھایا جانا چاہیے۔ اسکول کے لیے اٹھاتے تو ہمیں ان کو سوتے دیکھ کر ترس نہیں آتا' پھر نماز کے لیے اٹھاتے وقت کیوں آ جاتا ہے!'' وہ آہستہ آہستہ بولتی تھیں' بول بول کر نہیں تھکتی تھیں۔ حنہ دھیرے سے اٹھی' جائے نماز تہہ کی اور واپس کرسی پہ آ بیٹھی۔ گلابی آنکھوں کے ساتھ' سر جھکائے وہ بولی تھی۔

''ابھی جوش تازہ ہے' گھر جا کر پھر سب پرانا ہو جائے گا۔ نماز پڑھ لوں گی' مگر قائم کیسے رکھوں گی؟''

''ساری مسلمان قوم ایک ہی پیر کی مرید ہے اور وہ ہے ''ڈنڈا''۔ کہتے ہیں آسمان سے اتریں چار کتابیں اور پانچواں اترا ڈنڈا۔ حنین نماز کی عادت سات سال کی عمر میں نہیں ڈالی جائے تو اکیس سال کی عمر میں تم بغیر ڈنڈے کے اسے نہیں ڈال سکتیں۔ صرف دو ماہ کے لیے اپنے اوپر ڈنڈا رکھو۔ ساری عمر کی نماز پکی ہو جائے گی۔ لکھ کر رکھ لو۔''

''مگر اس عمر میں' میں امی کی ڈانٹ سے نہیں ڈرتی نہ ان کے جوتے سے۔''

''تمہیں اپنا ایک نماز نگہبان بنانا پڑے گا۔''

''نماز نگہبان؟'' وہ حیران ہوئی۔

''ہاں۔ اپنی کسی ایسی جاننے والی لڑکی کو اپنا نگہبان مقرر کرو' جو تمہاری بیسٹ فرینڈ نہ ہو' اس سے اتنی بے تکلفی نہ ہو کہ وہ تمہیں رعایت دے۔ کوئی ٹیچر ہو' کوئی بڑی لڑکی ہو' جس کا تم سے ذرا ریزروڈ اور ادب والا رشتہ ہو۔ اس سے تم کہو گی کہ وہ تم سے روز پوچھے کہ آج تم نے کتنی نمازیں پڑھیں۔''

''یوں تو میں اس کے ڈر کی وجہ سے پڑھوں گی' نیت میں تو کھوٹ آ جائے گا۔''

''واہ ابلیس... واہ۔'' انہوں نے مسکرا کر گہری سانس لی۔ ''شیطان جب ''بائیں'' سے نہیں آ سکتا تو وہ ''دائیں'' سے آتا ہے۔ یعنی جب وہ تمہیں کسی اچھے کام سے روکنے کے لیے ''بری چیزوں'' کی ترغیب نہیں دے سکتا' جیسے نماز سے روکنے کے لیے میوزک اور گانوں کی' تو وہ تمہیں ''اچھی چیز'' کے ذریعے خراب کرتا ہے۔ تمہاری اپنی نیت میں شک ڈلواتا ہے۔ کسی کے سامنے نماز پڑھ رہی ہو تو کہے گا' تم تو ریا کاری کر رہی ہو' تمہاری نیت خراب ہے فلاں فلاں۔ اس سے تم پریشان ہو جاؤ گی اور عبادت کی لذت ختم ہو جائے گی۔'' انہوں نے لمحے بھر کا توقف کیا۔ ''بچہ نماز نہ پڑھے تو اسے سمجھانے' ڈانٹنے' پھر مارنے تک کا حکم ہے۔ تو بچہ پھر کیوں پڑھے گا؟ ماں باپ کے ڈر سے نا؟ تو کوئی بات نہیں۔ کسی کے ڈر سے تو پڑھے گا۔ عادت بنے گی۔ بڑا ہو گا تو خود سمجھ جائے گا۔ تم بڑی ہو' مگر ابھی ''نماز'' میں grow نہیں کیا تم نے۔ آہستہ آہستہ کرو گی' پھر اللہ کا ڈر آتا جائے گا۔ سو حنین' اچھی عادتیں ڈالنے کے لیے کوئی ڈنڈا ملے یا کوئی انسپریشن ملے' وہ لے لینی چاہیے۔ تم اللہ کے لیے ہی یہ کر رہی ہو نا۔''

بات حنین کے سمجھ میں آ گئی تھی۔ بہت عرصے بعد... اس کے ذہن نے فجر کی نیند کا ''تریاق'' ڈھونڈ لیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

زندگی کے بارے میں اک خیال یہ بھی ہے

آج زندہ رہنے سے جان دینا آسان ہے

ماہِ کامل کولمبو کے آسمان پہ بھی دمک رہا تھا۔ شام گہری ہو رہی تھی۔ ہوٹل اسٹریٹ کے اوپر واقع تھا۔ اونچی سی عمارت شان سے کھڑی تھی۔ اور پوری اسٹریٹ اس وقت آہستہ آہستہ رش سے بھر رہی تھی۔ لوگ فٹ پاتھ کے کناروں پہ آ کر بیٹھنے لگے تھے۔ جوش و جذبے سے بھرپور چند گھڑیاں انہیں گزارنی تھیں پھر پراہیرا اپنا سفر طے کرتا مختلف گلیوں سے ہوتا ادھر آنا تھا۔

ایش گرے سوٹ میں ملبوس' تازہ دم اور وجیہہ ہاشم اپنے سیل فون کے بٹن دباتا' ہوٹل کی لابی میں بیٹھا تھا۔ قریب میں اس کے دو سوٹ میں ملبوس گارڈز مستعد کھڑے تھے۔ ہاشم گاہے بگاہے گھڑی پہ نظر دوڑاتا' گویا وہ انتظار میں تھا۔

نیچے تہہ خانے کا میکسیکم سیکیورٹی سیل خاموش پڑا تھا۔ میری نے کھانا لا کر رکھا اور خاموشی سے باہر نکل گئی۔ اس کے جاتے ہی وہ دونوں تیزی سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

''یہ اب ایک گھنٹے بعد چائے کے لئے آئے گی۔ ہمارے پاس صرف ایک گھنٹہ ہے۔''

خاور آگے بڑھا اور سعدی کے ساتھ مل کر پلنگ اٹھا کر دوسرے کے اوپر رکھا۔ اب دونوں اس کے اوپر چڑھے یہاں تک کہ خاور کے ہاتھوں نے چھت کو چھو لیا۔ وہاں ایک تیز روشنی والا لائٹ فکسچر لگا تھا۔ اسکی پلیٹ کے نٹ وہ رات کو ہی ڈھیلے کر چکے تھے۔ اب کانٹے سے (جو چاولوں کے ساتھ آیا تھا) ذرا سا گھمایا تو کیل پیچ علیحدہ ہو گئے اور پلیٹ ہاتھ میں آ گئی۔

''کیا کسی کو اس راستے کے بارے میں نہیں علم؟'' سعدی نے بے چینی سے پوچھا۔

''یہ جیل میں نے ڈیزائن کی تھی۔ مجھے بیس دن دیے تھے ہارون عبید نے۔ اتنے وقت میں بھی اگر میں یہ راستہ نہ رکھتا تو کرنل خاور نہ ہوتا۔ میں نے یہ ہاشم کے لئے کیا تھا' کہ ہو سکتا ہے اسے مسز عبید کو نکلوانے میں کوئی فائدہ ہو۔''

''تم بھی شاہ سے زیادہ شاہ کے وفادار ہو۔'' سعدی نے مسکرا کر سر جھٹکا۔ خاور نے گھور کر اسے دیکھا' اور پھر پلیٹ ہٹائی۔ اوپر لوہے کی چادر تھی۔ اس نے انگلیوں سے ٹٹول کر کونے میں ایک جگہ کو دبایا۔ فوراً ہی لوہے کی چادر سلائیڈ کر کے ہٹتی گئی۔ آگے سیاہ خلا تھا۔

پہلے سعدی اوپر چڑھا' اور پھر خاور۔ اندھیرے میں اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنا چاہا۔ وہ ایک ایلی ویٹر شافٹ تھی۔ جس میں کوئی لفٹ نہ تھی مگر لفٹ کا پورا راستہ سا بنا تھا۔ اوپر عمارت کے اختتام تک۔ ذرا ذرا فاصلے پہ ننھے ننھے بلب لگے تھے۔ ذرا دیر بعد آنکھیں اندھیرے میں دیکھنے کی عادی ہوئیں تو وہ راستہ صاف دکھائی دینے لگا۔ لوہے کے جنگلے... راڈز اور ڈنڈے... درمیان سے لفٹ جتنی جگہ بالکل خالی۔ سنبھل سنبھل کر اوپر چڑھنا تھا اور اگر راستے میں پیر پھسلے تو یہاں سے لاش بھی نہ ملتی۔

اوپر آ کر خاور نے لوہے کی چادر بند کر دی۔ اب وہ دونوں احتیاط سے ٹٹول ٹٹول کر اوپر چڑھنے لگے۔

تھوڑی دیر گزری تھی کہ باہر کچن میں بیٹھی میری نے بے اختیار ماتھے پہ ہاتھ مارا۔ گارڈ نے استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''وہ کھانا کھانے سے پہلے مجھے چکھنے کا کہتا ہے۔ اگر نہ چکھا ہو تو گھنٹے بعد بھی کھانا یونہی رکھا ہوگا۔ ذرا میرے ساتھ آؤ' میں پہلے اس کا کھانا چکھ لوں۔'' برے موڈ کے ساتھ کہتی وہ گارڈ کو لئے سعدی کے کمرے کی طرف چلی آئی۔

گارڈ نے کوڈ دبائے اور دروازہ کھولا۔ دروازہ کھلنے کی آواز اتنی تھی کہ اوپر اندھیرے میں چڑھتے سعدی اور خاور رک گئے۔

''اب؟'' سعدی کو ٹھنڈے پسینے آ گئے۔ خاور بھی سن ہو گیا۔

نیچے میری جیسے ہی اندر داخل ہوئی' وہ گویا گنگ ہو گئی۔ کمرہ خالی تھا۔ کوئی نہیں تھا یہاں۔ اگلے ہی لمحے گارڈز کا شور برپا ہوا۔

''کرنل خاور....'' سعدی نے لوہے کی سیڑھی نما جنگلے پکڑے گہری سانس لے کر اوپر دیکھتے کہا۔ ''زندگی ہمیں دوبارہ یہ موقع نہیں دے گی۔ اس لئے ..تیز چڑھو۔'' اور یہ تو سب جانتے ہیں کہ شدید خوف اور شدید پریشانی کے عالم میں بھی انسان سروائیو کر سکتا ہے اگر وہ خود ہار نہ مانے۔ ان دونوں کی رفتار میں برق روی آ گئی تھی۔ وہ تیز تیز اوپر چڑھ رہے تھے۔ نیچے گارڈز پاگلوں کی طرح کمرے کا ایک ایک کونہ ٹٹول رہے تھے۔ تبھی کسی کی نظر اوپر ذرا سے ہلے ہوئے لائٹ فکسچر پہ پڑی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

لفظ نشتر کی طرح دل میں اتر جاتے ہیں

خط محبت کا بھی وہ لکھتا ہے تلوار کے ساتھ

اسلام آباد میں اس سکس اسٹار ہوٹل کے زرد روشنیوں سے جگمگاتے شاہانہ طرز کے ڈائننگ ایریا میں ایک میز پہ وہ چاروں براجمان تھے۔ اور بیرے ادب سے اشیائے طعام پیش کر رہے تھے۔ وہ یوں بیٹھے تھے کہ میز کے ایک طرف آبی اور ہارون تھے اور دوسری جانب وہ دونوں۔ ہارون شلوار سوٹ کے اوپر کوٹ میں ملبوس مسکرا کر آبدار سے پوچھ رہے تھے کہ اس نے اپنے مہمانوں کے سامنے اپنے والد کی شکایتیں کی ہیں یا نہیں۔ آبی بھی مسکرا کر کہہ رہی تھی کہ ایسا کچھ نہیں ہے۔ اس نے سرخ اسکارف کشمیری لڑکیوں کے انداز میں چہرے کے گرد لپیٹ کر پیچھے کو ڈال رکھا تھا۔ کانوں میں ایمرلڈ اور ڈائمنڈ ٹاپس دمک رہے تھے۔ نیچے سفید' ملائم سا سویٹر تھا جس کی ہائی نیک کے اوپر زمرد کا نیکلیس جگمگا رہا تھا۔ وہ خوش اور آسودہ لگ رہی تھی۔ بولنے کے ساتھ ساتھ مسلسل کھا رہی تھی۔

فارس ابھی تک خاموش تھا۔ چہرے پہ رسمی مسکراہٹ سجائے' وہ گرے شرٹ پہ سیاہ کوٹ پہنے ہوئے تھا۔ کبھی کبھی وہ سنہری آنکھیں اٹھا کر ہارون کو دیکھ کر مسکرا کر ان کی بات کا جواب دے دیتا' پھر سر جھکا کر پلیٹ کی طرف مصروف ہو جاتا' گو کہ وہ زیادہ کھا نہیں رہا تھا۔

زمر آج دل سے تیار ہوئی تھی۔ آبی کے کورے سفید رنگ کے برعکس اس نے سلک کی سیاہ لمبی قمیض پہن رکھی تھی۔ گھنگریالے بھورے بال سامنے سے ذرا سا پیچھے کر کے' پن لگا کر کھلے چھوڑ دیے تھے اور بھوری آنکھوں میں گہرا کاجل تھا۔ جب کوئی اسے مخاطب کرتا تو وہ آنکھیں ان پہ جما کر جواب دیتی اور پھر ادھر ادھر دیکھنے لگ جاتی۔

مصنوعی باتیں' مصنوعی روشنیاں۔

''سو فارس غازی... آپ کتنا عرصہ جیل میں رہے ہیں؟'' پران کا ٹکڑا کانٹے میں پھنساتے ہارون نے سرسری انداز میں سوال کیا۔

آبی ذرا غیر آرام دہ ہوئی مگر فارس نے مسکرا کر انہیں دیکھا۔ ''آپ سے تین سال کم...''

ہارون کو اس کے جواب نے چونکایا بھی اور محظوظ بھی کیا۔ لقمہ چباتے ہوئے مسکرا دیے۔

''میں نے ساڑھے سات سال کی قید کاٹی ہے۔ کل ملا کر۔ تین دفعہ جیل جا چکا ہوں۔ تم ابھی مجھ سے بہت پیچھے ہو۔'' طرز تخاطب بدل دیا۔ آبدار نے آسودہ سی سانس لی۔ زمر خاموش نظر آگا ہے بگاہے فارس اور ہارون پہ ڈال لیتی تھی۔

''آپ جہاں بھی رہے ہیں' آپ اے کلاس قیدی تھے۔ میں سی کلاس قیدی تھا۔ آپ میرا مقابلہ نہیں کر سکتے سر!''

آبی کے ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔ ''آپ تو انٹیلی جینس آفیسر تھے' پڑھے لکھے تھے' اچھے خاندان سے تھے' آپ کو تو عدالت کو اے کلاس الاٹ کرنی چاہیے تھی۔ تعلیمی' خاندانی پس منظر اور جاب وغیرہ کی بنیاد پہ ہی قیدیوں کی کلاس کا تعین کرتی ہے نا عدالت۔'' اور تائیدی نظروں سے زمر کی طرف دیکھا جس نے محض سر ہلا دیا۔ (جب پتہ ہے تو مجھ سے کیوں پوچھ رہی ہے؟)

''عدالت نے میری کلاس ''بی'' مقرر کی تھی مگر چونکہ میں ہارون عبید نہیں تھا اس لئے جیل کے اندر مجھے وارڈن کی مرضی کے بلاک میں پھینکا گیا تھا۔'' وہ مدھم مسکراہٹ کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر بتا رہا تھا۔

''اور اس دفعہ؟'' ہارون نے تشویش سے پوچھا۔

''اس دفعہ میں اپنی مرضی سے سی بلاک میں گیا تھا۔'' اور مسکرا کر سر جھکائے کانٹے سے کھانے کا ٹکڑا توڑنے لگا۔

''سو جیل کیسی ہوتی ہے؟'' آبی اب نہیں کھا رہی تھی۔ کہنیاں میز پر رکھے' آگے ہو کر بیٹھی' پورے دھیان سے اس کی طرف متوجہ تھی۔

''جیل...'' فارس نے رک کر سوچا۔ اس کے چہرے پہ تکلیف سی ابھری۔ پھر اس نے نگاہیں اٹھا کر آبدار کو دیکھا تو سنہری آنکھوں میں کرچیاں سی تھیں۔

''جیل میں آپ اکیلے ہوتے ہیں۔ کوئی آپ کا دوست نہیں ہوتا۔ کوئی آپ کا خیال نہیں کرتا۔'' اسے بہت کچھ یاد آیا۔ ''جب میں جیل میں گیا تو سب سے پہلے.... مجھے ایک کمرے میں جانا تھا۔ قراطین سے ملنے۔''

''قراطین؟'' آبی اور ہارون دونوں نے نا سمجھی سے اسے دیکھا۔

''He means Quarantine!'' زمر نے سنجیدگی سے وضاحت کی۔ وہ بالکل چپ سی ہو گئی تھی۔ یہ سب اس کے لئے بھی تکلیف دہ تھا۔

''مگر پاکستان میں ''کوارنٹائین'' نہیں ہوتا۔ قراطین ہوتا ہے۔ جیل کی اپنی زبان ہوتی ہے۔ اپنے لہجے ہوتے ہیں۔'' پھر آبی کے ہنوز الجھے چہرے کو دیکھ کر کہنے لگا۔

''قراطین وہ شخص ہوتا ہے جو نئے قیدی... جس کو آپ امریکی فلموں میں ''نیوفش'' کہہ کر پکارتے سنتے ہوں گی... اس نئی مچھلی کو قراطین کے

پاس سے گزرنا پڑتا ہے۔ وہ اس کو اس کی کلاس' اس کا بلاک' اس کی بیرک' اس کے ذمے مشقت' سب کچھ الاٹ کرتا ہے۔ قراطین جیل کا بادشاہ ہوتا ہے۔ وہ قیدی کو پہلی ملاقات میں اسے نہ مارنے کے ۲۵ ہزار لیتا ہے' وہ قیدی کو ہاتھ تک نہ لگانے کے ۴۰ ہزار لیتا ہے' وہ ہلکا کام دینے کے 65 ہزار لیتا ہے' اور یہ رقم وہ ہر مہینے قیدیوں سے ملنے آنے والوں سے لیا کرتا ہے۔ وہ طے کرتا ہے کہ آپ کی جیل میں قسمت اور زندگی کیسی ہونے جارہی ہے۔ اگر آپ اس کو ذرا سا بھی خفا کریں تو قراطین بادشاہ آپ کو بدنام زمانہ مجرموں کی بیرکوں میں ڈال دیتا ہے' اور آپ پوری پوری رات اس خوف سے سو نہیں سکتے کہ آدھی رات کو کوئی آپ کو صرف تکلیف پہنچانے کے لئے چھرا مار جائے گا' اور آپ نہ بھی مریں' تو وہ تکلیف... وہ آپ کے اندر بہت کچھ مار دیتی ہے۔ اور دن کی روشنی میں تو ویسے بھی مارنے والے بہت ہوتے تھے۔" اپنی پلیٹ کو دیکھتے ہوئے وہ کہے جا رہا تھا" ہر روز شام پانچ بجے قیدیوں کی چیکنگ ہوتی تھی۔ قطار میں جانوروں کی طرح کھڑا کر کے ان کا معائنہ کیا جاتا تھا۔ صرف مارنے' پیٹنے کا بہانہ تھا۔ اور کھانا..." میز پہ سجی انواع واقسام کی ڈشز کو دیکھ کر وہ مسکرایا۔ زخمی مسکراہٹ۔" قانون کے مطابق ہر ہفتے میں تین دن چکن اور بیف لازمی ہے' بریانی بھی بنے گی' اور دو وقت کی چائے بھی۔ صبح ناشتے میں سبزی کی بھجیا بھی ملے گی مگر سی کلاس قیدی اگر گوشت کی شکل دیکھتے بھی تھے' تو وہ بدذائقہ سے مری ہوئی مرغیوں کا ہوتا تھا' یا پھر ہوتا ہی نہیں تھا۔ دال اور سبزی کی بھی سب سے سستی قسم ملتی تھی کھانے میں۔ ایک احسان حکومت کرتی ہے کہ گھر کا کھانا الاؤڈ ہے' مگر میری بہن جو حلوے' اور میوے' اور کھانے میرے لئے بھیجا کرتی تھیں' وہ بہت کم مجھ تک پہنچتا تھا۔ راستے میں ختم ہو جاتا تھا۔ میں ان کو منع کرتا تھا کہ وہ محنت نہ کیا کریں۔ میں نے زندگی میں' اس سے پہلے' کبھی رشوت نہ دی' نہ لی' لیکن یہ کام بھی جیل میں شروع کیا۔ وارڈن کو پانچ سو روپیہ فی بندہ ماہوار دو' تو چار پانچ لوگ مل کر اپنا چولہا لگا سکتے ہیں' اور اپنا کھانا پکا سکتے ہیں۔ جگہ جگہ پانچ پانچ لوگوں نے گروپ بنا کر یہ کام شروع کیا ہوا تھا۔ اسے" ہانڈی وال" کہتے تھے۔ میں بھی اس" غیر قانونی" اور" رشوت انگیز" کام میں چار سال شامل رہا' کیونکہ میں لنگروں والی دال اور مری ہوئی مرغی نہیں کھا سکتا تھا۔ ہمارے جیسے معاشروں میں۔ جہاں قانون نام کی کوئی چیز نہیں ہے' اپنی بقاء کے لئے انسان قوانین توڑنے پہ مجبور ہو جائے' اور اس کے پاس دوسرا کوئی راستہ نہ ہو' تو کیا یہ کرنا غلط ہوگا؟ اسی لیے اسٹیفنی... احمر شفیع جب کہتا ہے کہ پرزن رائیٹس ملنے چاہیے ہیں تو وہ ٹھیک کہتا ہے۔"

وہ ٹھہرا اور سر جھکائے کانٹے کو پلیٹ میں پھیرا۔ میز پہ مسحور کن سناٹا تھا۔ آبی کا گلا رندھ چکا تھا اور آنکھوں میں پانی تھا۔ زمر بالکل خاموش اور سپاٹ تھی۔ ہارون نے گہری سانس لی۔

"تمہارا واقعی مجھ سے کوئی مقابلہ نہیں ہے۔" وہ جیسے پوری طرح اس کی طرف متوجہ تھے۔

"مگر تم نے قراطین والی بات پوری نہیں بتائی۔ رشوت تو تم نے ہانڈی وال کو پہلی دفعہ دی تھی... تو قراطین کو کیا دیا؟"

فارس ان کو دیکھتے ہوئے زخمی سا مسکرایا۔" اس سے پہلی ملاقات کرنے والے خوف سے کانپ رہے ہوتے تھے' وہ بادشاہ تھا' ان کو کچھ بھی کہہ سکتا تھا' ان کی عزت کا جنازہ نکال سکتا تھا۔ میرے ساتھ اس نے گفتگو میری بیوی کے نام سے شروع کی تھی۔"

آبی کا سانس رک گیا۔ "اور آپ نے کیا کیا؟"

"میں نے اسے ... مارا۔" اپنی ابرو کی طرف اشارہ کیا۔ "ادھر سے خون نکلنے لگا تھا اس کا۔ بارہ ٹانکے آنکھ کے قریب لگے تھے۔ اس نے مجھے سی کلاس میں بدنام زمانہ مجرموں کے ساتھ شفٹ کر دیا۔ تب وہ جیل میں ایک "اعلیٰ عہدے" پہ فائز سرکاری ملازم تھا۔ آج وہ اسی جیل میں قید ہے۔"

"اور اس کو قید کس نے کروایا؟" آبدار نے سانس روک کے پوچھا۔ وہ زخمی سا مسکرایا۔

"شاید کسی نے اپنی بیوی کے کردار پہ حملہ کرنے کا انتقام لیا ہو اور صرف مارنے سے اس کا دل نہ بھرا ہو۔" اور کندھے اچکا کر پوری توجہ سے کھانے لگا۔ آبی بے اختیار مسکرا دی۔ اسے اس لمحے فارس پہ فخر ہوا تھا۔ نگاہیں موڑ کر ہارون کو دیکھا۔ وہ بھی اس کی کمپنی سے لطف اندوز ہوتے دکھائی دیتے تھے۔ آبدار کی گردن مزید اکڑ گئی۔ اس نے زمر کی طرف چہرہ پھیرا۔

"اور آپ نے ڈلوایا تھا فارس کو قید میں' ہے نا؟" بہت سادگی اور معصومیت سے اس نے زمر کی آنکھوں میں دیکھ کر پوچھا تھا۔

لمحے بھر کے لئے اس میز پہ شدید تناؤ در آیا۔ فارس نے چونک کر پہلے آبی کو دیکھا' پھر زمر کو۔ اسے برا لگا تھا' اور وہ ناگواری سے ٹوکنے لگا تھا جب...

"آف کورس میں نے فارس کو گرفتار کروایا تھا۔" وہ آبی کی آنکھوں پہ نظریں جمائے مسکرا کر بولی تھی۔ "کیونکہ مس عبید میں نے ساری زندگی لوگوں کو انصاف دلوانے کے لئے جدوجہد کی ہے۔ اگر میرے اپنے خاندان میں' میرے وژن آف ٹروتھ کے مطابق' کوئی شخص مجرم ہے' تو میں انصاف کے حصول کے لئے' اس کے خلاف بھی کھڑی ہوں گی' اور قانون کی پوری مدد کروں گی۔ کیا آپ ایسا کر سکتی ہیں؟"

گردن اٹھا کر' وہ ہموار مگر فخریہ لہجے میں بولی تھی۔ (دل پہ جو گزری سو گزری)

آبدار کا چہرہ پھیکا پڑ گیا' اس نے بمشکل تھوک نگلا۔ ہارون نے بھی تنبیہی نظروں سے اسے گھورا۔

"شاید میں ایسا نہ کر سکتی۔ آئی ایم سوری۔ میں نے سنا تھا' آپ نے سعدی یوسف کے میموریل ڈنر پہ کہا تھا..." (ہارون نے غیر آرام دہ پہلو بدلا) "کہ آپ کے بھتیجے نے آپ کو اپنا گردہ ڈونیٹ کیا تھا۔ یہ سب بہت مشکل ہو گا آپ کے لئے... اس کا کھو جانا..." وہ اب سخت الفاظ کا اثر زائل کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

زمر نے گہری سانس لی۔ "مجھے نہیں پتہ وہ کہاں ہے' مگر مجھے امید ہے کہ وہ زندہ ہے۔ ان آٹھ ماہ میں' میں چند لمحوں کے لئے بھی اپنا فون آف نہیں کرتی' اس ڈر سے کہ وہ کال کرے گا اور اگر میں نے نہ اٹھایا تو کیا ہو گا؟ کیونکہ مجھے پتہ ہے وہ سب سے پہلے مجھے کال کرے گا۔"

میز پہ خاموشی کا دورانیہ بڑھ گیا' پھر ہارون نے ہمدردی اور اپنائیت سے پوچھا۔ "وہ کس طرح کا انسان تھا؟"

"مہربان' نرم دل اور..." زمر کہنے لگی' مگر فارس نے چہرہ اٹھا کر اطمینان سے کہا۔ "فریب کار۔"

سب نے چونک کر اسے دیکھا۔ اب وہ سر جھکا کر پلیٹ میں چھری کانٹا چلاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "اس نے اپنے خاندان کے ہر فرد کو یہ

یقین دلا رکھا تھا کہ سب سے زیادہ محبت وہ اسی سے تو کرتا ہے' راز دار بھی وہ اسی کا ہے' اور سب سے بڑی قربانی وہ اسی کے لئے دے گا۔ جب وہ نہیں رہا' تو ہمیں معلوم ہوا کہ ہم میں ہر شخص ہی خود کو سعدی کا سب سے اچھا دوست سمجھتا ہے۔ ایسے شخص کو آپ فریب کار نہیں کہیں گے تو کیا کہیں گے۔"

زمر کی آنکھوں میں آنسو آ گئے' مگر اس نے کمال ضبط سے ان کو اندر اتار لیا۔ اس نے فارس سے سعدی کا ذکر بہت کم سنا تھا' اور اس طرح تو شاید پہلی دفعہ' مگر پہلے کب وہ اسے بولنے کا موقع دیتی تھی؟

"فارس غازی!" ہارون نے بہت امید سے اسے دیکھ کر کہا۔ "میرے لئے کام کرو!"

"میں جاب انٹرویو چائے پہ نہیں دیا کرتا' اور آپ سے اتنے اچھے دوستانہ ماحول میں ملاقات کرنے کے بعد میں آپ کے لئے کام کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا کیونکہ دوستوں کے ساتھ کاروبار نہیں کیا جاتا۔"

"اگر تم سیاستدان ہوتے تو اتنی جیل کاٹ کر ووٹ ملتے' سیاستدان نہیں ہو اس لئے اب نوکری تک ملنا مشکل ہوگی۔ نوکری کے بغیر تمہارا کیا بنے گا؟" وہ سمجھانے والے انداز میں کہہ رہے تھے۔ فارس بند ہونٹوں سے لقمہ چباتے ہوئے مسکرایا اور ذرا آگے کو جھک کر' ہارون کی آنکھوں میں دیکھا۔

"آپ ایک بے گناہ آدمی کو ایک بدنامِ زمانہ جیل کے سی بلاک میں بے رحم اور خطرناک دہشت گردوں' اسمگلرز اور قاتلوں کے ساتھ چار سال کے لئے بند کر دیں' اور اگر وہ سروائیو کر جائے' تو کیا اس کے کچھ بن جانے میں آپ کو شک ہونا چاہیے؟"

بہت عرصے بعد ہارون کو کسی نے اتنا محفوظ کیا تھا۔ مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا۔ "میری پیشکش تمہاری میز پہ دھری ہے۔ مجھے جواب کا انتظار رہے گا۔" آبی بھی تائیدی انداز میں مسکرائی۔ اور زمر کو پتہ نہیں کیا' مگر کچھ بہت برا لگ رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تم بڑے لوگ ہو سیدھے ہی گزر جاتے ہو

ورنہ کچھ تنگ سی گلیاں بھی ہیں بازار کے ساتھ

کولمبو پہ شام کی تاریکی پوری طرح چھا چکی تھی۔ شہر کی چمچماتی بتیاں روشن ہو گئی تھیں۔ اسٹریٹ پہ منتظر کھڑے تماش بینوں کا رش بڑھتا جا رہا تھا۔ ایسے میں تاریک ایلی ویٹر shaft میں وہ کافی اوپر چڑھ آئے تھے' اور نیچے لوہے کی چادر کو مسلسل توڑنے' کاٹنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ چند گارڈز اوپر بھی دوڑے تھے' کہیں تو کھلتی ہوگی وہ شافٹ۔ مگر ہوٹل کے نقشوں پہ وہ بنی ہی نہیں تھی۔

تیسری منزل پہ رک کر خاور نے دیوار پہ دستک دی۔ ردھم میں... تین دفعہ۔ وہاں چوکور سا کارڈ بورڈ لگا تھا۔ اگلے ہی لمحے کارڈ بورڈ اندر سلائیڈ ہوا اور روشنی نظر آئی۔ آگے ایک کھلی ہوئی الماری تھی۔ وہ دونوں یکے بعد دیگرے الماری کے اندر سے ہو کر اس کمرے میں آ کھڑے ہوئے۔ اتنے عرصے بعد... سعدی یوسف نے کوئی اور کمرہ دیکھا تھا۔ روشن اور ہوادار... مگر اس نے ضبط نہیں کھویا۔ سنبھلا ہوا' محتاط کھڑا

رہا۔

سامنے کچن کا ہیڈ شیف کھڑا تھا۔ ان کو اندر لا کر اس نے جلدی سے کارڈ بورڈ برابر کیا۔ اور الماری سے ایک بیگ نکال کر خاور کو تھمایا اور الماری کو لاک کیا۔

"سو تمہیں ہمارے... مطلب کرنل خاور کے پیغامات ملتے رہے تھے؟" سعدی نے خاور کو بیگ کی زپ کھول کر اندر تمام چیزوں کی تسلی کرتے دیکھا تو شیف کو مخاطب کیا۔

خاور سینڈوچ کے ریپر پہ کونے میں الفاظ لکھتا تھا۔ اور مروڑ تروڑ کر پلیٹ میں رکھ دیتا۔ سارا کوڑا میری ڈن میں پھینک دیتی۔ روز شام کو گارڈز کوڑا اوپر کچن میں جا کر ڈال دیتے۔ شیف ایک ایک ریپر چیک کرتا تھا۔ یقیناً اس کو پیغام ملے تھے۔

"کرنل خاور کے مجھ پہ احسان ہیں۔ میں ان کے لئے کچھ بھی کر سکتا ہوں۔ تمہارے لئے نہیں۔" دزدیدہ نظروں سے سعدی کو خشک لہجے میں کہا اور کپڑوں کا پیکٹ تھمایا۔ وہ بھی بس اس کو گھورتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ خاور اب اس کے شانے کو تھپک کر اس کا شکریہ ادا کر رہا تھا....

نیچے لابی میں ہاشم کاردار ہنوز صوفے پہ بیٹھا میلز کا جواب دے رہا تھا۔ گاہے بگاہے وہ گھڑی پہ بھی نظر ڈال لیتا۔ پراہرا (پریڈ) کے اس اسٹریٹ تک پہنچنے میں کم وقت رہ گیا تھا...

اوپر تیسری منزل کی لفٹ کے دروازے کھلے اور اندر خاور اور سعدی کھڑے نظر آئے۔ سیاہ پینٹ' سفید شرٹ' اور سیاہ کوٹ پہنے' ماتھے پہ ویٹرز کی مخصوص ٹوپی سجائے وہ دونوں باہر نکلے۔

"سی سی ٹی وی ریوائنڈ ہو چکے ہیں' کنٹرول روم میں کوئی ہمیں نہیں دیکھ سکتا' بس کسی شناسا گارڈ سے نہ ٹکرانا۔" خاور اس کو ہدایت دے کر راہداری میں ایک طرف کو چلا گیا اور سعدی سر ہلا کر ٹرالی دھکیلتا ہوا دوسری طرف چلتا گیا۔

نیچے بیٹھے مصروف سے ہاشم کی طرف دو گارڈز تیز تیز چلتے آئے تو رئیس الرٹ سا ہوا۔ ہاشم کو پکارا۔ اس نے چہرہ اٹھایا اور ان دونوں کے چہروں پہ اڑتی ہوائیاں دیکھ کر وہ بے اختیار اٹھ کھڑا ہوا۔ اب وہ تیز تیز گھبراہٹ سے اسے کچھ بتا رہے تھے اور ہاشم کے چہرے کی رنگت متغیر ہو رہی تھی۔ پھر وہ بے اختیار آگے کو بھاگا.....

سعدی یوسف سر جھکائے ٹرالی دھکیلتے... راہداری کے موڑ پہ آٹھہرا۔ گردن نکال کر اگلی راہداری میں جھانکا۔ ایک کمرے کے بند دروازے کے باہر دو مستعد گارڈز کھڑے نظر آئے۔ سعدی نے جیب سے شو پالش کی ڈبی جتنی شے نکالی' پھر سانس روک کر اس کا ڈھکن گھمایا اور جھک کر زمین پہ آگے کو لڑھکا دیا۔ وہ گارڈز کے قریب' بنا آواز کے چلتی گئی اور جا ٹھہری۔ اس میں سے بغیر رنگ کی ہوا نکلنے لگی۔ اوٹ میں کھڑے ناک پہ رومال رکھے سعدی دھڑکتے دل سے گھڑی دیکھنے لگا۔ ایک منٹ... دو..... ساڑھے تین منٹ بعد اس نے گردن نکال کر جھانکا۔

گارڈز زمین پہ لڑھک چکے تھے۔ بے حس اور بے سدھ۔ وہ ٹرالی دھکیلتا تیزی سے آگے آیا اور مخالف دروازے کے سامنے ٹھہرا۔ دوسری جیب سے ماسٹر کی کارڈ نکال کر دروازے میں لگایا۔ دروازہ کھولا اور ان دونوں کو گھسیٹ کر دوسرے کمرے میں لا ڈالا۔ پھر ان کو وہاں لاک

کر کے اس کمرے تک پہنچا جہاں وہ پہرہ دے رہے تھے۔ ابھی وہ دروازے کے قریب کارڈ لے کر گیا تھا کہ....

"savan" مخالف سمت سے ایک اسی حلیے والا ویٹر آتا دکھائی دیا اور قدرے خفگی سے سنہالی زبان میں اسے مخاطب کیا۔ سعدی بالکل منجمد ہو گیا۔ پھر ہلکا سا چہرہ موڑا۔

"savan! ehidi tuva ve?" پھر ذرا اچنبھے سے اسے دیکھا۔

"oba alut?" (کیا تم نئے ہو؟) وہ ایک انجان زبان میں سعدی یوسف سے بات کر رہا تھا اور وہ جواب مانگ رہا تھا۔ سعدی نے گہری سانس لی۔

"mama danne nae. oba ahanna." (مجھے نہیں معلوم۔ نیچے جا کر خود معلوم کرلو۔) اور رخ موڑ کر ٹرالی میں چیزیں درست کرنے لگا۔ ویٹر بڑبڑاتا ہوا آگے بڑھ گیا اور سعدی یوسف نے دل میں اس دن کے لیے شکریہ ادا کیا جب اس نے فارس غازی کے پیغام پہ عمل کر کے خاور کو اپنا صاحب الجن بنایا تھا۔ گزارے لائق سنہالی صرف وہی اس کو سکھا سکتا تھا۔

کارڈ لگا کر اس نے دروازہ دھکیلا۔ اندر ایک پرتعیش اور شاہانہ طرز میں سجا سویٹ روشن سا نظر آ رہا تھا۔ ایک بیوٹیشن کھڑی سونیا کے بال بنا رہی تھی۔

"وہ تمہیں نیچے بلا رہے ہیں' کب سے کال کر رہا ہوں۔ جلدی جاؤ' سر غصے میں ہیں۔" وہ کوئی انجان مگر غیر ملکی لڑکی تھی' اس کو انگریزی میں ڈپٹا تو قدرے پریشان ہوگئی اور جلدی سے باہر کو بھاگی۔ سونیا نے گردن گھما کر پیچھے دیکھا۔ سعدی فوراً پلٹ گیا۔ جب لڑکی باہر نکل گئی تو اس نے دروازہ بند کیا اور ٹوپی اتارتے ہوئے آہستہ سے سونی کی طرف گھوما۔

"ہیلو پرنسس!" مسکرا کر کہتے وہ قریب آیا۔ سونیا کے ابرو اکٹھے ہوئے۔ معصوم چہرے پہ حیرانی اور الجھن ابھری۔ خوبصورت آنکھیں سکیڑیں۔

"سعدی!" وہ پہچان کر اسٹول سے اٹھی۔ سرخ لمبی میکسی میں وہ بالوں کی چوٹی بنائے' بے حد خوبصورت لگ رہی تھی۔

"تم تو... چلے گئے تھے۔" اپنی عمر کے لحاظ سے وہ صرف اتنی حیران ہو سکتی تھی۔

وہ قدم قدم چلتا اس کے قریب آ بیٹھا' اور نرمی سے اس کے دونوں ہاتھ تھامے۔

"مگر میں واپس آ گیا ہوں' سونی کے ساتھ ایک گیم کھیلنے۔ یاد ہے' جب میں تمہاری ممی سے ملنے آیا تھا' جب تم دونوں فلم دیکھ رہے تھے مال میں' اور پھر میں نے تمہارے ساتھ ایک گیم کھیلا تھا؟"

سونیا کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ وہ شرارت سے مسکرائی۔ "آئی نو۔"

"سو... سونیا..." مسکرا کر اس کی آنکھوں میں دیکھ کر وہ بولا "Do you wanna build a snowman"

اور سونیا کھلکھلا کر ہنس دی۔ گردن پیچھے پھینک کر۔ دل کھول کر۔ اس کو یہ فقرہ جیسے گدگدا دیتا تھا...

نیچے تہہ خانے کے دروازے کھلے پڑے تھے اور ہاشم وسط میں کھڑا سرخ چہرے کے ساتھ گارڈز پہ غرا رہا تھا' چیخ رہا تھا۔ ''وہ کہاں جا سکتے ہیں۔ ڈھونڈو ان کو۔ وہ ہوٹل میں ہوں گے۔ ٹریکر سے ڈھونڈو۔''

ارد گرد افراتفری مچی تھی۔ گارڈز آگے پیچھے بھاگ رہے تھے۔ رئیس کمپیوٹر کے سامنے بیٹھا کھٹ کھٹ ٹائپ کر رہا تھا۔

تبھی ہاشم کے موبائل کی بیپ بجی۔ اس نے جھلا کر دیکھا۔ ایک نئی ویڈیو موصول ہوئی تھی۔ سونی کے ٹیبلیٹ سے۔ وہ ٹھہر گیا اور جب اس پہ کلک کیا.. تو...

منظر سونی کے کمرے کا تھا۔ وہ وسط کمرے میں تیار کھڑی تھی' دونوں ہاتھ مخصوص رخ پہ اٹھائے' منہ ذرا کھولے' آنکھیں بند کیے' وہ ساکت کھڑی تھی۔ جیسے برف کا مجسمہ ہو۔ (ہاشم گویا خود برف بنتا گیا) کیمرہ ایک طرف کو پین ہوا اور سعدی کا چہرہ.. صرف چہرہ دکھائی دیا۔

''گڈ ایوننگ ہاشم کاردار۔ سونیا اور میں بہت انجوائے کر رہے ہیں۔ سونیا اس وقت سونیا نہیں ہے۔ وہ ''اولف'' ہے اور فریز ہو چکی ہے۔ اور بابا کو اتنا تو معلوم ہو گا کہ صرف سچی محبت سے کیا گیا عمل ایک جمے دل کو پگھلا سکتا ہے' ہے نا اولف؟'' اس نے رک کر سونیا کو دیکھا۔ وہ بند آنکھوں سے مسکراہٹ دبائے' سر کو ذرا سا خم دے کر رہ گئی' اس سے زیادہ وہ نہیں ہل سکتی تھی۔ کیمرہ واپس سعدی کے اوپر ہوا۔ وہ اب اٹھ کر سونی کے عقب میں آکھڑا ہوا۔ ''میں سونی کے روم میں ہوں۔ اور میرے پاس باہر کھڑے گارڈز کے ٹوائز بھی ہیں۔'' ہاتھ لہرا کر بریٹا پستول دکھایا۔ ''اور میں پہلے بھی ایک گارڈ کو اس کے گرینڈ پیرنٹس تک پہنچا چکا ہوں' سو میری صلاحیتوں پہ تمہیں شک تو نہیں ہونا چاہیے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ سونی کے بابا سونی کے لیے... سوری اولف کے لیے کیا کر سکتے ہیں۔ میرے سارے لیگل ڈاکومنٹس لے کر اس کمرے میں آجائیں' اور مجھے یہاں سے بخیریت نکلنے دیں' تو میں سونی کو پگھلا دوں گا' ورنہ... سونی... ہار جائے گی!'' اور ویڈیو بند ہو گئی۔

زندگی میں پہلی بار... ہاشم کاردار کو اپنا سر' اپنا دل... اپنی ساری دنیا گھومتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ اس کی رنگت پہلے سفید پڑی اور پھر سرخ۔ بوکھلا کر اس نے چہرہ اٹھایا۔ ''وہ میری بیٹی کے کمرے میں ہے۔''

تب تک کمپیوٹر کے سامنے بیٹھا رئیس بھی بول اٹھا تھا۔ ''وہ واقعی اسی فلور پہ ہے۔ وسط میں... یقیناً مس سونیا کے کمرے میں۔ اس کے کندھے کے اندر لگا ٹریکر میں نے ایکٹیویٹ کر دیا ہے۔ وہ اب بچ کر نہیں جا سکتا۔''

''اور خاور... وہ کہاں ہے؟'' وہ زور سے چلایا تھا۔ ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے اس نے آستین سے تر پیشانی پونچھی۔ دماغ ابھی تک گھوم رہا تھا۔

''وہ بھی وہیں ہے۔''

''اس نے اپنے پیپرز مانگے ہیں۔ میں ادھر جا رہا ہوں۔ میرے پیچھے پانچ آدمی میری بیٹی کے کمرے کی طرف بھیجو۔ تم دونوں کمرے کی پچھلی طرف سے آؤ۔ اور رئیس...'' وہ تیز تیز ہدایات دے رہا تھا۔ ''اسنائپرز کو بلواؤ' وہ چھت پہ بیٹھ کر بیرونی دروازوں کو تاک میں رکھیں گے۔ سادہ کپڑوں میں گارڈز کو ہوٹل کے چاروں طرف بکھیر دو۔ وہ دونوں زندہ یہاں سے نہیں نکلیں گے۔'' دانت پیس کر غصے سے کہتا وہ باہر کی

طرف بھاگا۔ دو گارڈز اس کے ساتھ دوڑے تھے۔

وہ لفٹ میں تھا جب فون بجا۔ سونیا کے نمبر سے کال آرہی تھی۔ اس نے تیزی سے فون کان سے لگایا۔ ''اگر تم نے میری بیٹی کو چھوا بھی تو میں تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کردوں گا۔'' لال بھبوکا چہرے کے ساتھ وہ چیخا تھا۔

''گڈ ایوننگ ہاشم' کیسے ہو۔ مجھے بھی تم سے بات کر کے اچھا لگا۔ موسم کیسا ہے؟''

''سونیا سے بات کرواؤ' تم سن نہیں رہے میں کیا کہہ رہا ہوں؟'' تیز تیز تنفس کے دوران ہانپتا' کانپتا وہ پھر غرایا تھا۔

''وہ تو بات نہیں کرسکتی۔ وہ فروزن ہے۔ کیا فلم ہے ویسے۔ کبھی ہمیں دوبارہ اکٹھے بیٹھ کر دیکھنی چاہیے۔''

''سعدی!'' لفٹ کے دروازے کھلے تو وہ باہر نکلا۔ چند گہرے سانس لے کر خود پہ قابو پایا۔ ''میں تمہارے ڈاکومنٹس لے آؤں گا' تمہیں جانے دوں گا' تم میری بیٹی کو کمرے سے باہر نکالو' خود بے شک کمرہ بند کر کے بیٹھے رہو' میں تمہارے ساتھ پورا تعاون کروں گا' مگر اسے جانے دو۔''

''مرنہ جاتے خوشی سے گر اعتبار ہوتا۔'' وہ گنگنایا تھا۔

''تم اتنا نیچے کیسے گرسکتے ہو؟ وہ ایک معصوم بچی ہے۔ کوئی انسانیت' کوئی اخلاقیات باقی ہیں تمہارے اندر یا ایک قتل کرنے کے بعد تم ان سے بھی گزر چکے ہو؟'' وہ افسوس اور بے یقینی سے کہہ رہا تھا۔

''کوئی گھنٹی بجی ہاشم کاردار؟ یاد ہے وہ دن جب مجھے بے بس کر کے تم میری بہن کے بارے میں بات کر رہے تھے؟ میری بھی یہی حالت ہوئی تھی۔'' الفاظ کے برعکس اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔ ہاشم نے پیشانی کو مسلتے ہوئے بمشکل خود پہ قابو کیا۔

''اچھا میں کمرے کے باہر ہوں۔ بتاؤ' کیا چاہتے ہو؟'' دروازے کے سامنے کھڑے اس نے فکرمندی سے ادھر ادھر دیکھا۔ مستعد گارڈز' اپنی گن نکالے' چوکس کھڑے تھے۔

''میرے تمام لیگل ڈاکومنٹس جن کی مدد سے میں واپس جاسکوں۔''

''میں نے منگوائے ہیں' چند منٹ لگیں گے۔ تم مجھے اندر آنے دو۔'' کہہ کر اس نے دروازہ بجایا۔ لاک گھمایا۔ وہ بند تھا۔ میجک آئی بھی بند تھی۔ وہ اندر جھانک بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ پاگل ہو رہا تھا۔ ''سعدی' دروازہ کھولو۔'' اس نے زور سے بجایا۔

''اگر تم نے ایک دفعہ پھر دروازے کو ہاتھ بھی لگایا تو میں اس کی جان لے لوں گا۔ دروازہ صرف تب کھلے گا جب تم ڈاکومنٹس لاؤ گے' اور سنو' تم اکیلے آؤ گے۔''

''ہاں' میں اکیلا آؤں گا۔ مجھے پانچ منٹ دو۔'' وہ بے چینی سے ادھر ادھر ٹہلنے لگا تھا۔ دوسری طرف سے فون بند ہوگیا۔ ہاشم اب رئیس کو کال کر کے اسے جلدی وہ کاغذات اوپر بھیجنے کو کہہ رہا تھا۔ ایک خاکی لفافے میں چند ردی کاغذ۔ وہ یہ دکھا کر سعدی کو کم از کم دروازہ کھولنے پہ مجبور کرسکتے تھے۔ ایک دفعہ دروازہ کھل گیا تو اسکے بہترین مارکس مین ان دو فراریوں کو سنبھال لیں گے۔

جب تک ایک گارڈ اوپر آیا وہ لفافہ لے کر' جس میں رئیس کا پاسپورٹ اور چند ردی کاغذ تھے۔ اس کمرے کو دونوں اطراف سے گھیرا جا چکا تھا۔ ہاشم کاردار کی آدھی نفری وہاں موجود تھی۔ کچھ لوگ بالکونی میں اتر آئے تھے کچھ بندوقیں سنبھالے راہداری میں کھڑے تھے۔ ہاشم نے لفافہ پکڑا اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ جواب ندارد۔ اس نے گارڈ سے ماسٹر کی کارڈ لیا اور دروازے میں لگایا۔ دروازہ کھل گیا۔

''سعدی! میں تمہارے پیپرز لے آیا ہوں۔'' اس نے احتیاط سے کہتے ہوئے دروازہ دھکیلا۔

کمرہ روشن تھا' اور وسط میں سونیا کھڑی تھی۔ ساتھ وہ ٹرالی اب بھی پڑی تھی اور اس پہ ایک بلیوبیری کیک سجا تھا جس کو وہ جلدی جلدی چمچ سے کھائے جا رہی تھی۔ ہاشم کو دیکھ کر اس نے جلدی سے منہ پہ ہاتھ رکھا۔ ''سوری بابا۔'' آنکھوں میں شرارت تھی اور پھر وہ ہنسی۔ وہ اس کو منع کرتا تھا زیادہ میٹھا کھانے سے۔ دانتوں کو نقصان نہ ہو۔ مگر وہ اس کیک کو آدھے سے زیادہ کھا چکی تھی۔ آج ہاشم نے کچھ نہیں کہا۔ وہ شل' ساکت سا چلتا آگے آیا۔

سونی کمرے میں اکیلی تھی۔ تنہا۔

''سعدی... کہاں ہے؟'' اسے کچھ کچھ سمجھ آنے لگا تھا۔

''سعدی میرے لئے کیک لایا ہے' بابا۔ اس نے کہا میں نے آپ کے آنے تک اس کو ختم کرنا ہے ورنہ میں اولف بن جاؤں گی۔''

ہاشم بے اختیار اس کے قریب آیا اور اس کو اپنے بازوؤں میں اٹھا لیا۔

''بابا' میرے کپڑے...'' وہ کسمسائی۔ مگر وہ دیوانہ وار اس کا چہرہ اور سر چوم رہا تھا۔

''سعدی کہاں گیا' سونی؟'' پھر اس نے پوچھا۔ ''اس نے ویڈیو کب بنائی؟''

''وہ تو کب کا چلا گیا بابا۔'' سونی نے جواباً اس سوال پہ حیرت سے اسے دیکھا تھا۔ اس کے منہ پہ ذرا سی کریم لگی تھی اور وہ ایک دفعہ پھر سے کیک منہ میں ڈالتی گنگنانے لگی تھی۔ .... I wanna stuff some chocolate in my face

ہاشم نے دھیرے سے اسے نیچے اتارا۔ ششدر چہرے اور شل اعصاب کے ساتھ وہ آہستہ سے مڑا۔ کسی نے جواہرات کو بھی بتا دیا تھا اور وہ حواس باختہ سی اندر داخل ہوئی تھی۔

''سونی' تم ٹھیک ہو؟'' فکرمندی سے کہتی وہ اس کے قریب بیڈ کے کنارے آ بیٹھی اور اسے خود سے لگا لیا۔ جو سنا تھا اس نے اسے ہلا دیا تھا۔

''کہاں ہیں وہ دونوں؟ کیسے بھاگے وہ؟'' وہ تشویش سے ہاشم سے پوچھ رہی تھی۔

ہاشم جواب دیے بنا موبائل پہ نمبر ملانے لگا۔ گارڈز بھی کمرے میں داخل ہو کر ادھر ادھر پھیل گئے تھے' اور گویا ہر کونا چھان پھٹک رہے تھے۔ کچن کا ہیڈ شیف بھی ہاتھ باندھے ساتھ آ کھڑا ہوا تھا اور اب وہ جواہرات سے کہہ رہا تھا۔

''کوئی اندر سے ان کی مدد کر رہا ہے ورنہ۔ ان کے پاس ماسٹر کی کارڈ کیسے آ سکتا تھا؟ یہ کیک بھی وہ کچن سے کیسے اٹھا کر لا سکتے ہیں بغیر مددگار کے؟''

ہاشم فون کان سے لگائے تیزی سے بولا۔ "رئیس وہ جا چکے ہیں۔ ٹریکر سے ٹریس کرو' وہ کدھر ہیں؟"

اسکرین پہ نگاہیں جمائے بیٹھے رئیس نے اچنبھے سے ابرو سکیڑے۔ "نو سر' وہ دونوں اسی کمرے میں ہیں۔ سگنل ابھی تک ایکٹو ہے۔" اور اگر وہ نہ کہتا تب بھی ہاشم کی نظر ٹرالی کے نچلے خانے میں پڑ چکی تھی جہاں... ٹشو میں دو ننھے بٹن جتنے ٹریکرز رکھے تھے۔ ہاشم تلخی سے مسکرایا اور ٹشو اٹھا کر دیکھا خون جما ہوا تھا۔ وہ بہت پہلے اپنے کندھوں سے ٹریکرز کاٹ کر' نوچ چکے تھے۔ ڈیم اٹ۔

سونی کو دو گارڈز اور جواہرات کی تحویل میں دے کر وہ فون کان سے لگائے باہر آیا۔

"سونی کا فون ٹریک کرو' وہ اسی کے پاس تھا۔ جلدی رئیس۔" وہ چلایا اور پھر برہمی سے راہداری میں کھڑکی کے ساتھ پڑی کارنر ٹیبل کو ٹھوکر ماری۔ میز لڑھک گئی۔ کانچ کا واز نیچے جا گرا۔ ہاشم نے سرخ آنکھیں اٹھائیں۔ کھڑکی سے نیچے کا منظر دکھائی دے رہا تھا۔ پرابرا اسٹریٹ میں پہنچ چکا تھا۔ ہوٹل کی کوئی چار دیواری نہ تھی۔ وہ تکون صورت اونچی عمارت اس مصروف شاہراہ کے موڑ پہ کھڑی تھی۔ مین ریسپشن سے نکلو تو سامنے سڑک تھی' جو اس وقت لوگوں سے بھری تھی۔ ان کے جھرمٹ میں پرابرا کے روایتی ملبوسات اوڑھے' پجاری چلتے جا رہے تھے۔ سو ہاتھیوں کو قافلے اس وقت سڑک سے گزرنا تھا۔

ہاشم نے ایک دم چونک کر سر اٹھایا۔ اس کے اوپر جیسے کوئی انکشاف ہوا تھا۔

"پرابرا۔ وہ پرابرا کے ہجوم میں گم ہونے والے ہیں۔" پھر تیزی سے مڑا۔ "سڑک پہ جاؤ۔ اسٹریٹ میں پھیل جاؤ۔ وہ نظر آ جائیں گے۔"

موبائل بجا تو اس نے تیزی سے کال اٹھائی۔ دوسری طرف رئیس تھا۔

"سر' سونی کا فون باہر کی طرف جا رہا ہے... باہر پرابرا کی طرف۔ میں بھی ادھر جا رہا ہوں۔" رئیس دوسرے ہاتھ میں ٹیب پکڑے' ان کی لوکیشن کو سامنے رکھے' بھاگتا ہوا کچن سے نکل رہا تھا۔

ہاشم اب اوپر کھڑا اپنے گارڈز کو چلا چلا کر ہدایات دے رہا تھا۔ چھت پہ موجود اسنائپر تیار تھے۔ جیسے ہی ان کو سعدی یا خاور دکھائی دیں' وہ ان کو گولی مار دیں گے۔

چند ہی منٹوں میں گارڈز پوری اسٹریٹ پہ پھیل گئے تھے۔ ایک ایک کو دیکھتے وہ ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔

ایسے میں رئیس ٹیب پہ لوکیشن کو سامنے رکھے' دوڑتا ہوا باہر آیا تھا۔ دائیں بائیں گردن گھماتا' وہ سیاحوں کے ہجوم کو چیرتا ہوا آگے بڑھنے لگا مگر راستہ نہیں مل رہا تھا۔ بمشکل لوگوں کو پرے ہٹاتا' دھکے دیتا' معذرتیں کرتا' وہ آگے آیا۔ موبائل ٹریکر کا سرخ نشان ایک جگہ رک گیا تھا۔ وہ بدقت اس جگہ پہنچ پایا۔ سیاحوں کی خفگی اور ڈانٹ پھٹکار کو نظر انداز کرتے ہوئے اس نے ٹیب کو دیکھا۔ سرخ دائرہ (سونی کا فون) سبز دائرے (خود رئیس) کے ساتھ کھڑا تھا۔ پھر وہ دائیں طرف مڑنے لگا۔ اس نے چونک کر دیکھا۔ سامنے ایک یورپین خدوخال کی سنہرے بالوں والی بچی دائیں طرف جا رہی تھی۔ وہ آندھی طوفان کی طرح اس کے سر پہ پہنچا۔ اسکی ہڈ والی سوئیٹر کا ہڈ پیچھے کو گرا ہوا تھا' اور کمر پہ پہنے بیک پیک میں ٹیب رکھا تھا۔

''لعنت ہے۔'' اس نے ٹیب اٹھا کر بدحواسی سے ادھر ادھر دیکھا۔ ہر طرف انسانوں کا سمندر بکھرا تھا اور اس سب میں ان دونوں کا کوئی نام و نشان تک نہ تھا۔

وہ دوڑتے قدموں سے اوپر ہاشم کے پاس آیا تھا۔ وہ وہیں کھڑکی کے پاس کھڑا تھا۔

''سر...'' پھولے تنفس کے دوران اس نے کہا۔ ''وہ نہیں ہیں۔ یہ فون انہوں نے پراہرا دیکھنے والی ایک بچی کے اوپر پلانٹ کر دیا اور خود رش میں آگے نکل گئے۔''

''ہیں لوگ سڑک پہ پھیلے ہوا ور کسی سے وہ دو لوگ نہیں پکڑے گئے۔'' وہ دھاڑا تھا۔ بار بار آستین سے پیشانی پونچھتا۔ دل چاہ رہا تھا اس کو شوٹ کر دے۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ اتنی جلدی نکل گئے ہوں اور تمہیں نظر ہی نہ آئے ہوں؟ سلیمانی چغے پہن رکھے تھے انہوں نے یا...'' ہاشم رکا۔ ایک دم سے اس کے اوپر ڈھیر ساری ٹھنڈی برف گر گئی تھی۔ آہستہ سے اس نے گردن موڑی اور نیچے سڑک پہ بہتے پراہرا کو دیکھا۔ سیاحوں کے رش کو دیکھا۔ ہاتھیوں کو دیکھا۔

''نہیں... ہم غلط تھے... پراہرا... پریڈ صرف ڈسٹریکشن ہے۔ ہمارا دھیان بٹانے کے لئے... وہ پراہرا کے ہجوم میں گم ہو کر نہیں نکلنے والے تھے۔'' چونک کر ان لوگوں کو باری باری دیکھا۔ ''کیا اس ہوٹل سے نکلنے کا کوئی اور راستہ بھی ہے؟''

رئیس نے سوالیہ نظروں سے گرے کوٹ والے گارڈ کو دیکھا جو ہوٹل کی سیکیورٹی میں سے تھا۔ اس نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔ ''نہیں سر' دروازوں کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں ہے۔'' پیچھے کھڑا شیف خاموشی سے ان کو دیکھتا رہا۔

''کارا!'' ہاشم شعلہ بار نظروں سے اسے گھورتا دو قدم آگے آیا۔ ''میں ابھی تک ایسے کرمنل سے نہیں ملا جو ایک عظیم الشان ہوٹل بنائے' اس کے تہہ خانے میں ذاتی جیل رکھے' اور پھر پولیس کے اچانک ریڈ سے بچنے کے لئے کوئی خفیہ راستہ نہ رکھے۔ مجھے بتاؤ... کوئی... اور... راستہ ہے یا نہیں؟''

''سر' آپ میرا یقین کریں' یہاں پہ کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ ہوتا تو میں آپ کو پہلے بتاتا۔ پہلے یہاں پہ مین ہولز تھے' مگر بعد میں ان کے اوپر سر دسز باتھ رومز بن گئے تو وہ بھی بند ہو گئے اور...''

ہاشم نے پوری قوت سے اس کے جبڑے پہ مکا دے مارا۔ وہ پیچھے کو لڑھک گیا۔ دیوار کا سہارا لیا اور گرتے گرتے بچا۔

''ان کے پاس کمروں کے ماسٹر کی کارڈز ہیں' بے ہوش کرنے والی گیس ہے اسلحہ ہے' ہوٹل کی وردی ہے' کوئی اندر سے ان کی مدد کر رہا ہے۔ اور تمہارے جیسے گدھے کا خیال ہے کہ ان کے مددگار فرش کی چند اینٹیں اکھاڑ کر ان کے لئے مین ہول کھول کر نہیں رکھیں گے؟'' وہ چیخا تھا۔ جس کے منہ پہ لگی تھی' وہ خون آلود منہ پہ ہاتھ رکھے' سر جھکائے سیدھا اٹھ کھڑا ہوا۔

''کدھر ہیں مین ہولز؟ لے کر چلو مجھے ادھر۔'' ایک دفعہ پھر گارڈز کی دوڑیں لگ گئی تھیں۔

باتھ روم ایریا میں اسے مین ہول کی جگہ کا پتہ لگانے کے لئے کسی راکٹ سائنس کی ضرورت نہیں تھی۔ کونے والا باتھ روم بند تھا اور اس کے اوپر "خراب ہے" کا سائن صاف نظر آ رہا تھا۔

"سر یہ کل سے لیک ہو رہا تھا' آج بھی ٹھیک نہیں ہو سکا۔۔" ہیڈ آف سیکیورٹی اس کا دروازہ کھولنے لگا تو وہ اندر سے لاکڈ تھا۔ ہاشم نے اسے پرے دھکیلا' اور بوٹ سے دروازے پہ ٹھوکر ماری۔ ایک' دو۔۔ اور دروازہ اڑتا ہوا دوسری طرف جا لگا۔

اندر فرش کے کونے میں اتنی جگہ اکھڑی پڑی تھی کہ ایک آدمی نیچے اتر سکے۔ نیچے تیس فٹ کی اترائی تھی اور اس کے نیچے لمبی سرنگ۔ ہاشم آگے آیا اور اس مین ہول کے دہانے پہ کھڑے ہو کر' گردن جھکائے' اندر کو جھانکا۔ اوپر ایک ٹائل تلے ایک کاغذ رکھا تھا۔ ہاشم نے جھپٹ کر اسے اٹھایا اور چہرے کے قریب لایا۔

Everyone's bit of a fixer upper!

وہ سعدی کی لکھائی لاکھوں میں پہچانتا تھا۔ غصے سے مروڑ کر کاغذ پرے پھینکا۔ گارڈ اور رئیس باہر کو بھاگے تھے۔ کچھ لوگ اندر اتر رہے تھے۔ کچھ باہر سے اس کے دوسرے دہانے تک جا رہے تھے۔ مگر ہاشم کاردار جانتا تھا کہ وہ لوگ اب تک بہت دور جا چکے ہوں گے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

زہر کے پیالے کا گھونٹ گھونٹ پی لینا

آگ میں اتر جانا' سر کو آسمان رکھنا

کافی دیر پہلے' جس وقت ہاشم کاردار سعدی سے فون پہ اس کے ڈاکومنٹس لانے کی بات کر رہا تھا' اس سے کچھ دیر بعد وہ دونوں سڑک کنارے بنے اس مین ہول کے اوپر رکھی لوہے کی پلیٹ اٹھا کر باہر نکل رہے تھے۔ سوئی کا ٹیب وہ سروس باتھ روم تک جاتے ہوئے راستے میں ایک سیاح بچی کے بیک پیک میں گرا کر آگے بڑھ گیا تھا۔

اندھیر سڑک پہ وہ تیزی سے باہر نکلے اور لوہے کی پلیٹ برابر کر کے اسی طرح آگے بڑھتے گئے۔ سڑک قریباً سنسان تھی۔ عموماً وہ پر رونق ہوتی تھی مگر چونکہ یہ پراہرا کا روٹ نہیں تھا سو سارے لوگ گویا یہاں سے سمٹ کر ادھر جا چکے تھے۔ جو پھر رہے تھے' انہوں نے بیک پیک اور ٹارچز پکڑے دو آدمیوں کو مین ہول سے نکلتے دیکھ کر ان کو صفائی یا پلمبنگ کا عملہ خیال کیا اور نظر انداز کیا۔

"ان کو تیس منٹ لگیں گے کم از کم اس مین ہول کا معلوم ہونے میں۔" خاور نے تیز تیز چلتے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔ سعدی خاموشی سے چلتا رہا۔ وہ اتنے دنوں۔۔ ہفتوں۔۔ مہینوں بعد۔۔ تازہ ہوا میں آیا تھا۔۔ سر اٹھا کر پورے چاند کو دیکھا جو سیاہ آسمان پہ دمک رہا تھا۔ پویا۔ ماہِ کامل! اور اس کی چاندنی میں نیچے بہتے پراہرا کی موسیقی اور شور یہاں تک سنائی دے رہا تھا۔

ایک موڑ مڑ کر خاور نے لبوں میں انگلی ڈال کر سیٹی بجائی۔ تین دفعہ۔ فوراً سے ایک ٹک ٹک tuk tuk (سری لنکن رکشا) تیزی سے چلتا ان کے قریب آ رکا۔ وہ دونوں جلدی سے اس میں بیٹھے اور ٹک ٹک سڑک پہ گویا اڑتا ہوا دور چلا گیا۔

''اور یقیناً یہ ٹک ٹک ڈرائیور بھی تمہارا جاننے والا ہوگا؟'' سعدی نے تیز ہوا کے شور میں اونچی آواز سے ساتھ بیٹھے خاور سے پوچھا۔

''میں نے اس شہر میں ہاشم کاردار کے لئے برسوں کام کیا ہے۔ کیا میرے چند وفادار کانٹیکٹس بھی نہیں ہوں گے یہاں؟'' وہ بگڑ کر بولا تھا۔ سعدی مسکرا کر رہ گیا۔ مگر وہ جانتا تھا' ابھی وہ آزاد نہیں ہے۔

جب تک ہاشم کاردار کے آدمی اس مین ہول تک پہنچے' وہ دونوں مفرور قیدی وہاں سے بہت دور جا چکے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اب یہ داغ بھی سورج بن کر ابھر ابھر چمکے گا

جس کو ہم نے دامنِ دل میں اتنی عمر چھپایا ہے

ہارون اور آبدار کے جانے کے بعد وہ دونوں میز سے اس ارادے سے اٹھے تھے کہ اب ہوٹل سے باہر نکلیں مگر باہر جانے کے بجائے لان میں چلے آئے اور قدم خود بخود پول کے قریب اٹھتے گئے۔ ندرت کا فون آیا تو فارس نے کہہ دیا کہ وہ دیر سے واپس آئیں گے۔

''تم واپس نہیں جانا چاہتے؟'' اس کے ساتھ چلتے ہوئے زمر نے غور سے اس کے چہرے کو دیکھا۔ وہ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے' سر جھکائے قدم اٹھا رہا تھا۔ کسی سوچ میں گم تھا۔

''کیا اپنی گرل فرینڈ کو مس کر رہے ہو؟ اسے کال کر لو' شاید کوئی بات رہ گئی ہو جو اس نے تم سے نہ پوچھی ہو۔'' ہمدردی سے مشورہ دیا۔ فارس نے سنہری آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا' اور ذرا سا مسکرایا۔

''تمہیں اس سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ وہ معصوم سی لڑکی ہے۔ سادہ اور مذہبی سی۔ وہ مجھ میں بالکل بھی انٹرسٹڈ نہیں ہے۔'' پول کے کنارے وہ دونوں آمنے سامنے آ کھڑے ہوئے تھے۔ اوپر تاریک رات میں چمکتا پورا چاند پول کے نیلے پانی پہ جھلملا رہا تھا' اور پانیوں کی روشنی زمر کے چہرے پہ پڑ رہی تھی جو سنجیدہ ہو گیا تھا۔

''نہ وہ معصوم ہے نہ مذہبی۔ اس کا سکارف ایرانی کلچر کا حصہ ہے یا اس کو اپنے بال نہیں پسند۔ مذہبی اسکارف ایسا نہیں ہوتا۔ مجھے تو وہ ایک بگڑی بچی کے سوا کچھ نہیں لگی۔ خیر وہ اتنی اہم نہیں ہے کہ ہم اس کو ڈسکس کریں۔ تم بتاؤ' گھر کیوں نہیں جانا چاہتے؟'' سینے پہ بازو لپیٹے وہ پوچھ رہی تھی۔ گھنگریالے بھورے بال سمیٹ کر چہرے کے بائیں طرف ڈال رکھے تھے اور بھوری لائنر سے مزین آنکھیں سکیڑ کر اس پہ جما رکھی تھیں۔ ناک میں پڑی سونے کی بالی ماہِ کامل کی چاندنی میں دمک رہی تھی۔

''مجھے ڈپریشن ہو گا زمر۔ میرے لئے پہلی رات ہمیشہ تکلیف دہ ہوتی ہے۔ تھانے کی پہلی رات' جیل کی پہلی رات' دوبارہ گرفتاری پہ جیل کی پہلی رات اور اب...'' سر جھکائے جوتے کی نوک سے گھاس کو مسلتے وہ کہہ رہا تھا۔ ''وہ گھر میرے لئے بہت اہمیت کا حامل تھا۔ مجھے بہت پیارا تھا۔ اس کو بیچ کر میں خوش نہیں ہوں۔''

''اب کیا کرو گے؟ جاب کب ڈھونڈو گے؟'' وہ فکرمند تھی۔ وہ باپ بیٹی ذہن سے محو ہونے لگے۔

''مل جائے گی جاب۔ نہیں تو پیسے ہیں میرے پاس۔ چھوٹا موٹا کاروبار تو کر ہی سکتا ہوں۔'' کندھے جھٹک کر لاپرواہی سے بولا تھا۔

''ندرت بھابھی چاہتی ہیں کہ تم ریسٹورانٹ میں ان کے ساتھ شراکت داری کر لو۔ یا اوپر والے پورشن میں کچھ بنوالو۔''

اس نے استہزائیہ سر جھٹکا تھا۔ ''وہاں سارے رشتے دار آتے ہیں ہمارے' میں ان سے نہیں ملنا چاہتا۔''

''فارس تم بے گناہ ہو' عدالت نے تمہیں بری کیا ہے' تو کیوں بھاگتے ہو اپنے رشتے داروں سے؟''

''زمر بی بی' لوگوں کو اس بات سے غرض نہیں ہوتی کہ یہ آدمی بے گناہ تھا یا گناہ گار۔ جیلوں میں جانے والے نوے فیصد لوگ مجرم ہوتے ہیں مگر لوگ سمجھتے ہیں سب مجرم ہیں۔ جن نظروں سے میرے رشتے دار مجھے دیکھتے ہیں' میرے قریب آنے پہ میرے بارے میں سرگوشیاں کرتے ہیں' ان پہ خون جلانے کے لئے میرے پاس نہ وقت ہے نہ توانائی۔'' کہتے ہوئے وہ آگے بڑھا اور پول کے کنارے بیٹھ گیا۔ زمر بھی گہری سانس لے کر ساتھ آ بیٹھی۔ ڈنر کے دوران کی گئی جیل کی باتوں نے اسے ڈسٹرب کر دیا تھا۔

''میں چاہوں بھی تو تہرے قتل کے الزام سے کبھی پیچھا نہیں چھڑا سکتا۔ میں کبھی بھی نارمل نہیں ہو سکتا۔'' وہ سنجیدگی سے سر جھکائے کہہ رہا تھا۔

''مگر میں ہونا چاہتی ہوں۔'' وہ گھٹنوں پہ تھوڑی ٹکائے' پورے چاند کو پانی میں تیرتے دیکھ کر گویا خود سے بولی تھی۔ ''میں بھی اس برف کو پگھلانا چاہتی ہوں۔ مگر مجھے نہیں پتہ میں کیا کروں۔ تمہارے بارے میں سوچوں یا نہیں؟''

فارس نے گردن پھیر کر اسے دیکھا۔ وہ اداس نظر آ رہی تھی۔

''تمہارا اور میرا ایک ساتھ کوئی مستقبل نہیں ہے۔ اس رات جو میں نے اس ریسٹورانٹ میں کہا تھا' میں اس کے لئے شرمندہ ہوں' مگر وہ سچ تھا۔ جلد یا بدیر ہم الگ ہو جائیں گے۔'' مگر زمر نے اس دفعہ برا نہیں مانا۔ وہ نارمل رہی۔

''تو پھر کب دے رہے ہو تم مجھے طلاق؟'' پول میں جیسے چاند سے کوئی چیز آن گری تھی۔ کچھ چٹخنے کی آواز سی آئی۔

''طلاق الگ ہونے کا واحد راستہ نہیں ہوتی۔ گو کہ میرے دل میں تمہارے لئے کوئی عناد نہیں ہے۔ صرف محبت ہے۔ عزت ہے۔ مگر میں ایک cursed آدمی ہوں۔ میرے ساتھ بہت سے مسئلے ہیں۔ میرے دشمن ہیں۔ میری دشمنیاں ہیں۔ میں بہت جلد خود کو تم سے الگ کر دوں گا' تاکہ میری curse تمہیں مزید نقصان نہ دے۔ پہلے بھی تمہارا بہت نقصان ہو چکا ہے۔''

''وہ میری قسمت تھی' فارس!'' زندگی میں پہلی دفعہ اس نے تسلیم کیا۔

''وہ میرا قصور تھا۔ میں اپنے سے جڑی کسی عورت کی حفاظت نہیں کر سکتا۔'' وہ پول کے پانی کو دیکھتے ہوئے یاسیت سے کہہ رہا تھا۔

''مگر...'' اس نے گہری سانس لی۔ ''جب تک ہم ساتھ ہیں' ہم خوش تو رہ سکتے ہیں نا زمر! ایک اچھے کپل کی طرح اور...'' زمر سے کوئی جواب نہیں بن پڑا تھا جب فارس کا موبائل بجنے لگا۔ اس نے ایک نظر دیکھا۔ آپا کالنگ۔ اس نے کال کاٹ کر فون آف کر دیا۔

''ہماری کریزی فیملی ہمیں خوش نہیں رہنے دے گی۔'' وہ جل کر بولا تھا۔ ''جب بتا دیا ہے کہ نہیں آ رہے ہم گھر تو بار بار کال کر کے بلائیں گے کہ بھنڈی گوشت بنا ہے' آ کر کھا لو۔'' وہ ایک دم زور سے ہنسی۔ دفعتاً اس کا اپنا موبائل بھی تھرتھرانے لگا۔ زمر نے ہنسی روک کر اسکرین

فارس کے سامنے لہرائی۔ ''حنین کالنگ۔'' اور کال کاٹ دی۔ وہ سلسلہ کلام جوڑنے ہی لگا تھا کہ گھر کے پی ٹی سی ایل سے کال آنے لگی۔ اسے یاد تھا کہ نئے گھر میں صبح ہی حنہ نے فون کی تار وغیرہ جوڑ دی تھی۔ وہ پھر سے کال کاٹ کر فارس کی طرف متوجہ ہوئی۔

''تم کیا کہہ رہے تھے؟'' انجان بن کر پوچھا۔ بازو گھٹنوں کے گرد لپیٹ کر وہ بیٹھی تھی اور سیل ابھی تک ہاتھ میں تھا۔

''یہی کہ کل کی کل دیکھیں گے۔ کیا پتہ ہم کبھی الگ نہ ہوں۔ کیا پتہ سب ٹھیک ہو جائے۔ تو پھر...'' بیٹھے بیٹھے وہ اس کی طرف گھوما اور نرمی سے مسکرا کر اس کا چہرہ دیکھا۔ ''زمر یوسف خان' کیا تم فارس غازی کی بیوی کی حیثیت سے ایک نارمل زندگی گزارنا چاہو گی؟'' زمر نے بے اختیار امڈ کر آتی مسکراہٹ دبائی۔

''پہلے مجھے آپ کہو۔''

فارس نے سر کو اثبات میں خم دیا' اور ذرا سا کھنکھارا۔ ''زمر یوسف خان...'' اس کی آنکھوں میں دیکھ کر آہستہ آہستہ سے دہرایا۔ ''کیا تم فارس غازی کی بیوی کی حیثیت سے نارمل زندگی گزارنا چاہو گی؟''

اور فارس غازی کو کون کسی بات کے لئے مجبور کر سکتا تھا؟ ہاں' صرف وہی مجبور کر دیتا تھا۔ زمر نے گہری سانس اندر کو کھینچی۔ ''نمبر ایک میں تمہاری ریسٹورانٹ والی کوئی بات نہیں بھولی' نمبر دو...''

''میں تمہارے چودہ نکات سن چکا ہوں' اب تم..''

فون ایک دفعہ پھر زوں زوں کرنے لگا۔ غیر شناسا نمبر تھا۔ فارس کے ابرو تنے۔

''مجھے سننے دو' کوئی ضروری کال نہ ہو۔'' اس نے موبائل کان سے لگایا۔ ''ہیلو؟'' فارس غور سے اس کے تاثرات دیکھنے لگا۔

''کون؟ حسینہ؟ اچھا یہ تمہارا نمبر ہے۔'' اور اس سے زیادہ فارس غازی سے برداشت کرنا مشکل تھا۔ فون زمر کے کان سے نوچا اور اپنے کان سے لگایا۔

''حسینہ' تم اسی وقت اپنی نوکری سے فارغ ہو۔ سامان سمیٹو اور اپنی شکل گم کرو۔ میرے واپس آنے تک اگر تم مجھے نظر آ گئیں تو اچھا نہیں ہو گا۔'' غصیلے اور اکھڑ لہجے میں ڈپٹ کر اس نے فون بند کیا۔

''سائیلنٹ کر رہا ہوں۔ میں چاہتا ہوں اس وقت تم صرف مجھے سنو۔'' موبائل اس نے اپنی جیب میں ڈال لیا۔ (زمر سمجھی اس نے واقعی سائیلنٹ کیا ہے' مگر اس نے خاموشی سے فون آف کر دیا تھا۔)

''کیا سنوں؟'' وہ تھوڑی گھٹنے پہ رکھے دلچسپی سے اسے دیکھنے لگی۔ نیلے پول کے اوپر جھلملاتی چاندی منعکس ہو کر فارس کے چہرے پہ پڑ رہی تھی۔ ارد گرد ٹہلتے لوگوں سے بے نیاز' وہ بس اس کو دیکھے گئی۔ سوئیٹر کے آستین ذرا پیچھے چڑھائے' منہ میں کچھ چباتے ہوئے وہ پانی کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے سوال پہ سنہری آنکھوں کا رخ اس کی طرف موڑا۔

''مجھے نوٹس ملے تھے۔''

''سوری؟''

''تمہاری کلاس میں جو نوٹس تم نے کاپی کروا کر دیے تھے وہ مجھے ملے تھے۔ میں نے پھینک دیے تھے۔ مجھے تم سے ریمیڈئیل کلاس لینے کا بہانہ درکار تھا۔''

زمر کے ابرو استعجاب سے اٹھے۔ چہرہ گھٹنے سے اٹھایا۔ ''تمہیں وہ سب لیکچرز، وہ ٹاپکس سمجھ آتے تھے؟ پھر میں کیوں گھنٹہ گھنٹہ تمہارے ساتھ کھپاتی تھی؟'' وہ برا نہیں مانی تھی۔ اسے دھکا سا لگا تھا۔ اس نے فارس غازی کو کبھی ذہین نہیں سمجھا تھا' اور اس کی بڑی وجہ وہ ٹیوشن تھی جو وہ اسے دیتی تھی۔ ایک ہی ٹاپک بار بار اس کو پڑھانا پڑتا تھا۔

''مجھے ہر چیز سمجھ آتی تھی زمر بی بی۔ صرف آپ نہیں سمجھتی تھیں۔'' اب کے وہ مسکرایا تھا۔ وہ خفا سی چپ ہو رہی۔

''اور وہ لڑکا جمشید۔ جس کو آپ میرے ساتھ ٹاپک سمجھانے لے آئی تھیں لائبریری... بہت برا لگا مجھے۔ اس کا سیل فون میں نے غائب کیا تھا اور اس کو ڈھونڈنے وہ بے چارہ اٹھ کر گیا تھا۔ مگر آپ سمجھیں وہ لاپرواہ ہے' اس لیے دوبارہ آپ نے اس کو نہیں پڑھایا۔''

''تم ہمیشہ سے ایک دو نمبر انسان تھے۔''

''اور وہ بندہ جو آپ کو ہراس کر رہا تھا... اور آپ میرے پاس آئی تھیں۔'' وہ محظوظ سا اسے بتا رہا تھا۔ ''اور میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ اس سے بات کروں گا۔ جانتی ہیں میں نے کیا کیا؟''

''جانتی ہوں۔'' سابقہ ڈسٹرکٹ پراسیکیوٹر نے چہرہ آگے جھکا کر اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا۔ فارس بالکل ٹھہر گیا۔

''تم اسے اپنے کسی ٹارچر سیل لے کر گئے اور اسے مارا پیٹا۔ ہے نا؟''

وہ لمحے بھر کے لیے لاجواب ہوا۔ ''اس نے آپ سے کچھ کہا تھا بعد میں؟''

''فارس... تمہارے پاس کیوں آئی تھی میں؟ اگر اس سے صرف بات کرنی ہوتی تو میں خود کر لیتی۔ مجھ سے بہتر manipulative talk کون کر سکتا ہے بھلا؟ تمہیں اس لیے کہا کیونکہ تمہاری جاب... اور تمہاری شہرت کہتی تھی کہ تم اس کی طبیعت اس طریقے سے ٹھیک کر لو گے جس طریقے سے میں کروانا چاہتی ہوں۔ میں چاہتی تھی کہ تم اس کو مارو۔ وہ باتوں کا بھوت نہیں تھا۔'' اور ابرو اٹھا کر (فاتحانہ) تائید چاہی۔ وہ چند ثانیے کو چپ رہا۔ پھر سر جھٹکا۔

''تم میں اور مسز کاردار میں کبھی کبھی مجھے زیادہ فرق نہیں لگتا۔'' پھر جیسے کچھ پوچھنے لگا' مگر ارادہ بدل دیا۔ کم از کم آج کی رات نہیں۔

''اور بتاؤ۔ اور کیا کچھ کر چکے ہو تم میرے علم میں لائے بغیر؟'' مسکرا کر پوچھنے لگی۔ فارس نے گھڑی پہ وقت دیکھا۔

''پہلے چل کر کھانا کھاتے ہیں۔ ہارون عبید کا حرام کا مال تھوڑا بہت زہر مار کیا تھا۔'' اور اٹھ کھڑا ہوا۔ ''ویسے بھی ہمارے پاس ابھی بہت وقت ہے۔ کم از کم آج کی رات ہم واپس نہیں جا رہے۔ یہیں رہتے ہیں۔''

''اتنے مہنگے ہوٹل میں؟'' اس نے گردن اٹھا کر استعجاب سے اسے دیکھا۔

''روز روز تھوڑا ہی کرتا ہوں آپ پہ اتنا خرچہ؟'' مسکرا کر اس نے ہاتھ بڑھایا۔ اور پگھلنے والے انکار نہیں کیا کرتے۔ وہ اس کا ہاتھ تھام کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اب پول کنارے وہ دونوں ایک دوسرے کے مدِمقابل کھڑے تھے۔ ایک دوسرے کی آنکھوں میں جھانکتے۔

''تم ہمیشہ میرے سامنے ایک مختلف روپ میں آتے ہو۔ پہلے تم میرے رشتے دار تھے۔ پھر اسٹوڈنٹ بنے۔ پھر میرے مجرم۔ پھر ایک کاغذی انتقامی رشتے کا ایک پرزہ۔ پھر سعدی کے لیے میرے پارٹنر بنے۔ پھر ایک بے گناہ انسان کی حیثیت سے میرے سامنے کھلے۔ پھر میرے کلائنٹ بنے۔ اب شوہر بن جاؤ گے۔ پتہ نہیں پھر کس روپ میں سامنے آؤ گے؟ کیا ابھی بھی کچھ ایسا ہے جو میں نہیں جانتی تمہارے بارے میں؟''

''ہاں۔ یہی کہ تمہارے کلائنٹ کا تمہاری فیس ادا کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے!'' وہ اس سوال سے بچتا تھا سو مسکراہٹ دبا کر بولا تو وہ ہنس دی، پھر مصنوعی خفگی سے بولی۔

''نمبر ایک، اب مجھے اس بات سے فرق نہیں پڑتا کہ تم اور میں مستقبل میں ساتھ رہیں گے یا نہیں، میں مزید کوئی پلاننگ کیے بغیر، نفع نقصان سوچے بغیر، اس شادی کو قبول کرنے کے لئے تیار ہوں۔ مگر نمبر دو، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میرے دل میں تمہارے لئے کوئی فیلنگز ہیں، کیونکہ نمبر تین، میں تمہاری ریسٹورانٹ والی کوئی بات نہیں بھولی، اور نمبر چار، ابھی تک...'' اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اعتماد سے بولی۔ ''آئی ہیٹ یو!''

وہ مسکرا کر اس کی طرف جھکا۔ ''آئی ہیٹ یو ٹو۔''

اور اس نے بہت دقت سے مسکراہٹ لبوں پر روکی تھی۔ چاندی میں نہائے جھلملاتے پانی کے ساتھ سبزہ زار پہ وہ دونوں ساتھ ساتھ آگے بڑھنے لگے۔ اور اولف صحیح کہتا تھا۔ کچھ لوگ واقعی اس قابل ہوتے ہیں کہ ان کے لئے پگھلا جائے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

برا نہ مان۔۔۔ مرے حرف زہر ہی

میں کیا کروں کہ یہی زباں کا ذائقہ ہے

کھانے کے بعد حنہ اپنے کمرے میں آئی تو اس نے فوراً سے پہلے میمونہ کو کال ملائی۔ میمونہ اس سے دو سال سینئیر تھی۔ کالج میں دونوں ساتھ تھے۔ کسی کام کے سلسلے میں تعارف ہوا اور پھر دوستی ہو گئی۔ وہ حافظِ قرآن تھی اور شادی شدہ تھی۔ ایک بیٹا بھی تھا۔

''میمونہ باجی، آپ میری نماز نگہبان بنیں گی کچھ دن کے لیے؟'' مہذب انداز میں مدعا بیان کر کے اس نے پوچھا۔

''حنین، دیکھو میں اول تو کسی کی ذمہ داری لیتی نہیں لیکن اگر لوں تو اسے آخری سانس تک نبھاتی ہوں۔ میں ہر روز فجر کی اذان کے پینتالیس منٹ بعد تمہیں کال کر کے پوچھوں گی کہ تم نے نماز پڑھی یا نہیں۔ اور روز رات کو تمہیں مجھے ٹیکسٹ کر کے بتانا ہو گا کہ آج تم نے ۵ میں سے کتنی نمازیں پڑھی ہیں۔ جس دن تم کوتاہی کرو گی، میں تم سے وضاحت مانگوں گی اور مجھے امید ہے کہ تم خود کو اور مجھے شرمندہ نہیں کرو

گی۔"

میمونہ سے ویسے ہی ایک ریزروڈ سا رشتہ تھا' اب تو مزید لحاظ آ گیا۔ وہ جلدی سے بولی۔ "ان شاءاللہ میں صبح اٹھ جاؤں گی۔"

اور زندگی میں پہلی دفعہ جنین یوسف کو سمجھ آیا تھا کہ بچے کو نماز پڑھانے کے لیے ماں باپ کو ان پہ سختی کیوں کرنی چاہیے۔ عادتیں ڈالنے کے لیے سختی کرنی پڑتی ہے۔ اس نے فون بند کر کے اوپر آسمان کی طرف دیکھا۔

"اللہ تعالیٰ! ہمیشہ میں نے الارم کلاک پہ بھروسہ کیا ہے مگر آج نہیں۔ کل صبح آپ مجھے اٹھائیں گے۔ مجھے نہیں پتہ کیسے' یہ میرا مسئلہ نہیں ہے' لیکن آپ مجھے اٹھائیں گے۔ ہر حال میں۔"

ان سے دور.... کولمبو کی اس برف رات میں تیزی سے بھاگتا ٹک ٹک بالآخر ایک جگہ رکا۔ وہ دونوں بنا کچھ کہے اترے اور پھر' جہاں خاور چلتا گیا' وہ اس کے ساتھ کھنچا چلا آیا۔ سڑک پار کرتے وہ دفعتاً رکا۔ سر کو جھٹکا۔ گلے پہ ہاتھ رکھا۔ خاور نے چونک کر اسے دیکھا۔

"کیا ہوا؟"

"یونہی۔ منہ کا ذائقہ عجیب سا ہو رہا ہے۔ شاید گلا خراب ہے۔" الجھن سے سر جھٹکتا وہ آگے بڑھ گیا۔ سڑک کے کنارے سے انہوں نے ایک اور ٹک ٹک روکا اور یوں' تقریباً تین سواریاں بدل کر وہ دونوں اس اپارٹمنٹ بلڈنگ کے سامنے رکے۔ اندر سیڑھیاں چڑھتے سعدی نے پوچھا تھا۔ "تو اس عمارت میں ہے تمہارا خفیہ فلیٹ جس کے بارے میں کاردار نہیں جانتے؟"

"میرے پاس ایسی کئی خفیہ جگہیں ہیں۔" وہ ماتھے پہ بل لئے کھردرے لہجے میں بتاتا زینے چڑھتا گیا۔

فلیٹ معمولی اور سستا سا تھا۔ سعدی گردن ادھر ادھر گھماتا' طائرانہ نظروں سے جائزہ لیتا اندر داخل ہوا۔ بیگ صوفے پہ دھرا۔ خاور سیدھا اندرونی کمرے میں چلا گیا۔ سعدی چوکھٹ پہ آیا تو دیکھا۔ خاور کارپٹ ہٹا کر نیچے زمین پہ جھکا ہوا تھا' اور فرش کے اندر بنے ٹریپ ڈور سے ایک باکس نکال رہا تھا۔ سعدی آگے آیا۔ وہ ایک دھاتی باکس تھا۔ (ایسے باکس کو Go باکس کہتے ہیں۔) اس میں خاور کے نام کے تین پاسپورٹ تھے' پستول تھا' اور رقم کی گڈیاں تھیں۔ ایمرجنسی میں بھاگتے وقت کا سارا سامان گو باکس میں موجود تھا۔

"اب ہمارے پاس پیسے بھی ہیں' اور پلان بھی۔ اب سعدی' ہمیں فیز ٹو پہ عمل کرنا ہے۔" وہ نوٹ نکال نکال کر باہر رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"یعنی کہ ہم نے تمہارا نام کلیئر کروانا ہے' ہاشم کے سامنے تمہیں بے گناہ ثابت کرنا ہے۔ جانتا ہوں۔" وہ کندھے اچکا کر مڑا' پھر دروازے کی چوکھٹ پکڑ کر رکا' ہلکا سا دوہرا ہوا۔ خاور نے پھر سے چونک کر اسے دیکھا۔ "مسئلہ کیا ہے؟"

"میں ٹھیک ہوں شاید کچھ غلط کھا لیا تھا۔" وہ سر کو پھر سے نفی میں جھٹکتا' باہر لاؤنج میں چلا گیا۔ ذرا دیر گزری تو خاور کو اس کے کھانسنے کی آواز آئی۔ وہ تیزی سے اٹھا اور باہر کو لپکا۔

کچن سنک پہ جھکا وہ کراہتا ہوا قے کر رہا تھا۔

"کیا کھایا تھا تم نے؟" خاور تشویش سے کہتا اس کے سر پہ آ پہنچا۔ وہ دوہرا ہوا' نڈھال سا چہرہ جھکائے' مزید قے کے لئے منہ کھولے ہوئے

تھا۔ نقاہت سے کراہ بھی رہا تھا۔

''میری نے... شاید کھانے میں کچھ ملایا تھا۔''

''ٹھہرو شاید کوئی دوا رکھی ہو، تمہاری جان میرے لئے بہت قیمتی ہے۔'' کہہ کر وہ دوسری طرف لپکا اور کیبنیٹ کھولی۔ دفعتاً خاور ٹھہرا۔

''مگر.. ایک منٹ... ہم نے تو اس کھانے کو چکھا ہی نہیں تھا۔'' وہ چونک کر پلٹنے لگا تھا کہ...

اس کے سر کی پشت پہ زور سے کوئی بھاری چیز آ کر لگی۔ خاور بے اختیار آگے کو لڑھکا، مگر پھر ہاتھ سلیب پہ رکھے، سنبھلنا چاہا، لیکن سعدی نے پیچھے سے اس کی گردن دبوچی، اور مخصوص رگ کو دباتا گیا۔ خاور نے پوری قوت سے مزاحمت کرنی چاہی، ہاتھ پیر مارے... سلیب سے شیشے کے گلاس گر کر ٹوٹ گئے، مگر اس کی مزاحمت دم توڑتی گئی اور گردن ڈھلک گئی۔

''آف کورس ہم نے وہ کھانا نہیں کھایا تھا۔'' اس کو کندھوں سے تھامے زمین پہ احتیاط سے لٹاتے ہوئے، ہشاش بشاش سا سعدی بولا تھا۔ ''تمہیں بروقت یاد آ گیا، مگر بہت سی باتیں تم بھول گئے کرنل خاور۔'' اس کے سر پہ کھڑے، وہ پر تپش نگاہوں سے اس کے بے ہوش وجود کو دیکھ کر کہہ رہا تھا۔ ''یہی کہ اپنے دشمن کو درخت پہ چڑھنا نہیں سکھاتے۔ تم اور میں دشمن تھے، ہیں اور رہیں گے۔ تم نے میرے وعدے پہ اعتبار کیا۔ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ میں وہ سچا، ایماندار سعدی یوسف نہیں رہا جو وعدے سے نہیں پھرے گا۔ کمار کی موت کے ساتھ وہ کھو گیا ہے۔ تمہارا نام کلیئر کروانے کا ارادہ نہ میرا کل تھا نہ آج ہے۔ میں نے تمہیں صرف استعمال کیا ہے کیونکہ صرف تم اس جیل کو توڑنے میں میری مدد کر سکتے تھے۔ اور وہ تم نے کر دی۔ تھینکس، بٹ نو تھینکس۔'' کہہ کر وہ اندرونی کمرے کی طرف چلا گیا۔ اور جب باہر آیا تو کندھے پہ بیگ میں خاور کی تمام رقم اور اسلحہ رکھا تھا۔ اس کا ایک پاسپورٹ بھی وہ لے آیا تھا۔ باقی چھوڑ آیا تھا۔ ایک نظر اس نے کچن میں بے سدھ گرے خاور پہ ڈالی، اور پھر وہ پی کیپ اٹھائی جو کارنس پہ دھری تھی اور اسے پہنتے ہوئے وہ باہر نکل گیا۔

دروازہ باہر سے بند کرنا وہ بالکل نہیں بھولا تھا۔ تیز تیز زینے اتر کر وہ عمارت سے باہر نکل آیا، اور اب، پورے چاند کی اس یخ بستہ رات میں، اندھیر سڑک پہ اپنا پی کیپ والا سر جھکائے، جیبوں میں ہاتھ ڈالے، کندھے پہ بیگ لٹکائے، وہ دور چلتا جا رہا تھا۔

بالآخر وہ آزاد تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

زخم جتنے بھی تھے سب منسوب قاتل سے ہوئے

تیرے ہاتھوں کے نشان اے چارہ گر دیکھے گا کون؟

ہوٹل کے ملوکانہ سوئیٹ میں بیڈ پہ سونی، کمبل میں دبکی، بے خبر سو رہی تھی، اور وہ بھی سونی کی طرح مطمئن سا ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا جواہرات کو دیکھ رہا تھا جو بے چینی سے ادھر ادھر چکر کاٹ رہی تھی۔ جب تک وہ ان کا پیچھا کر سکتا تھا اس نے کیا، لیکن جب یہ یقین ہو گیا کہ وہ ان کی قید سے نکل چکے ہیں تو ہاشم اطمینان سے اس صوفے پہ آ کر بیٹھ گیا تھا۔

''اب کیا ہو گا ہاشم؟ وہ دونوں نکل گئے۔''

''سعدی کی تصویر سے ملتا جلتا اسکیچ' اور خاور کی اصلی تصویر پولیس کو دے دی ہے۔ وہ ان مسنگ لوگوں کی تلاش شروع کر چکی ہے۔ ہمارے آدمی بھی لگے ہیں۔ جیل کو ہم نے صاف کر کے اس میں فالتو سامان بھر دیا ہے' اور اب وہ بیسمنٹ اسٹور سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ ہم ان کو نہ بھی پکڑ سکے' تب بھی کوئی ثبوت نہیں ہے کہ سعدی کو ہم نے قید کر کے رکھا تھا۔''

''ثبوت!'' اس نے بے یقینی سے ہاشم کو دیکھا۔ ''ثبوت کی پرواہ کسے ہے؟ سعدی چھوٹتے ساتھ ہی گھر کال کرے گا اور سب کو بتا دے گا۔''

''ان کے تمام نمبرز ہم ٹیپ کر رہے ہیں' سری لنکا سے آنے والی کال پکڑی جائے گی۔ ہمیں علم ہو جائے گا۔''

''وہ ای میل کر سکتا ہے' اور چلو کال تم پکڑ بھی لو تو وہ تو ان کو سب بتا چکا ہو گا۔ اتنا عرصہ اس کو اس لئے قید رکھا تا کہ وہ ہمارے راز نہ کھولے' اور اب...'' وہ شدید پریشان تھی۔ ہاشم نے اچنبھے سے ابرو اٹھائی۔

''آپ کے خیال میں اسے اتنا عرصہ اس لئے مقید رکھا کیونکہ میں اس کے منہ کھولنے سے ڈرتا تھا؟ میں..''اپنے''..لئے ڈرتا تھا؟''

''ظاہر ہے' ہمیں ہی نقصان ہو گا اس کا منہ کھلنے سے۔''

''ممی' اگر میں اس سے ڈرتا ہوتا تو شیرو کی بجائے میں نے اسے گولیاں ماری ہوتیں' مگر میں نے تب بھی بار بار شیرو سے کہا تھا کہ میں سعدی کو سنبھال لوں گا۔ ممی' اس کے منہ کھولنے سے ہمیں کوئی نقصان نہیں ہے۔'صوفے کی پشت پہ بازو پھیلائے' وہ مطمئن سا بیٹھا تھا۔

''تو پھر؟ ہم نے کیوں اسے اتنا عرصہ خاموش کرائے رکھا؟''

''کیونکہ بول کر وہ اپنی فیملی کو خطرے میں ڈالے گا۔ مجھے اس کی فیملی کی فکر تھی۔ میں نہیں چاہتا کہ ان لوگوں کے ساتھ مزید کچھ برا ہو۔ لیکن اگر وہ بولے گا' تو ظاہر ہے مجھے ان سب کو ''فکس'' کرنا پڑے گا۔ جتنے لوگوں کو بتائے گا' اتنے لوگ ہمارے نشانے پہ آجائیں گے۔'' ہمیں'' کوئی نقصان نہیں ہو سکتا ممی'' ''وہ'' اس وقت Vulnerable ہے۔''

جواہرات بالکل ساکت سی ہو کر اسے دیکھے گئی۔ ''ایک قاتل ہونے کی حیثیت سے تمہیں یہ ڈر نہیں ہے کہ اگر وہ تمہارے قتل کے راز کھول دے تو تم دنیا میں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہو گے؟'' اس کی آواز میں اس کا اپنا اندرونی ڈر غالب تھا۔

''ممی...!'' اس نے حیرت بھری مسکراہٹ سے ماں کو دیکھا۔ ''وہ مجھ پہ الزام لگائے گا تو کیا دنیا اس پہ یقین کر لے گی؟

It would be his word against mine! ۔ وہ کیا ہے؟ جج کو بلیک میل کرنے والا' ایک گارڈ کو قتل کرنے والا' اور اسکے اپنے مبینہ قاتل نے اس کے بارے میں اعتراف جرم میں کہا تھا کہ وہ منشیات کی خرید و فروخت میں ملوث تھا۔ ایسے شخص کی کیا کریڈیبلٹی ہوتی ہے؟ اور میں کیا ہوں؟ شہر کے بااثر وکلاء میں سے ایک... آئل لابی کا کنٹرولر... Philanthropist... جس کو کبھی کسی کرمنل کیس میں مطلوب نہیں قرار دیا گیا... میں وائٹ کالر' باعزت آدمی ہوں' میری ایک کریڈیبلٹی ہے۔ میرے مقابلے پہ اس کی بات کا کون یقین کرے گا؟ فرق اس سے نہیں پڑتا کہ کیا کہا جا رہا ہے' فرق اس سے پڑتا ہے کہ کون کہہ رہا ہے۔'' کوٹ سے نادیدہ گرد جھاڑتے ہوئے اس

نے بے نیازی سے کہا تھا۔ جواہرات دھیرے سے کرسی پہ بیٹھی۔ اس کا دماغ ہنوز سُن تھا۔

"فرق اس سے نہیں پڑتا کہ آپ کے کون سے راز کس کے پاس ہیں۔ فرق اس سے پڑتا ہے کہ آپ کے محرمِ راز کی کریڈیبلٹی کیا ہے۔" وہ خود سے بولی تھی۔ ایک سکون سا تھا جو اس کے پورے وجود کو اپنی لپیٹ میں لیتا گیا۔

"لیکن اس کی فیملی تو اس کا یقین کرے گی' ہاشم! پھر کیا ہو گا؟"

"پھر؟" وہ کوٹ کا بٹن بند کرتے ہوئے اٹھا اور سنجیدگی سے ماں کو دیکھتے ہوئے بولا۔ "پھر ہاشم سب سنبھال لے گا۔" اور ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گیا۔ جواہرات بھی اپنے کمرے میں جانے کے لئے اٹھ گئی۔ ایک طویل' سرد اور سنسنی خیز رات اپنے اختتام کو پہنچی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

صرف احساسِ ندامت اک سجدہ اور چشمِ تر

اے خدا کتنا آسان ہے منانا تجھ کو

اگلی فجر پہ دھند غائب تھی۔ بالکل ندارد صفر۔ بادل بھی عنقا تھے اور جامنی آسمان صاف تھا۔ ابھی فجر میں چند ساعتیں باقی تھیں۔ ایسے میں نئے گھر میں حنین رضائی میں لپٹی' آنکھیں موندے بے خبر سو رہی تھی۔ ماتھے پہ کٹے بال بکھرے تھے اور باقی تکیے پہ پھیلے تھے۔ ایک مینڈک کی ہیئت کی مخلوق اس کے کندھے پہ چپکے سے آ بیٹھی اور اس نے اپنی لمبی سونڈ کے ذریعے حنہ کے دل کو پکڑا' اور پھر اس پہ گرہ لگائی۔ ایک' دو' تین۔ حنہ بے خبر سوتی رہی۔ ساری دنیا سوتی رہی۔

"اے اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے والے... اٹھو اور خبردار کرو۔"

دفعتاً ایک جھٹکے سے حنہ کی آنکھیں کھلیں۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ پھر آس پاس ہاتھ مارا۔ موبائل اٹھا کر روشن کیا۔ کیا وہ الارم سے اٹھی تھی؟ پانچ الارم لگائے تھے اس نے مگر... پہلے الارم کے بجنے میں ابھی چار منٹ رہتے تھے۔ پھر وہ کس چیز سے اٹھی؟ اذان کی آواز سے؟ مگر اذان میں ابھی دس منٹ تھے۔ پہلی اذان تو ابھی ہوئی ہی نہیں تھی۔

"اور اپنے رب کی ہی بڑائی بیان کرو۔"

حنین سن رہ گئی۔ کوئی آواز اس کو سنائی دی تھی۔ بھولی ہوئی سورہ المدثر جو اس کو جاگتے میں بھی یاد نہ آتی' آج سوتے میں یاد آئی تھی۔ وہ مخلوق بھی خاموشی سے اس کے دل کو جکڑے بیٹھی رہی۔

"سب تعریف اس اللہ کی جس نے ہمیں مار دینے کے بعد زندہ کر کے اٹھایا۔ اور اسی کی طرف ہم نے پلٹنا ہے۔" وہ اللہ کا نام لیتے ہوئے ایک دم اٹھ بیٹھی۔ دل کو باندھے ہوئے تین گرہوں میں سے ایک چھناکے سے ٹوٹی۔

حنہ کچھ دیر وہیں بیٹھی رہی۔ وہ کیسے اٹھ گئی؟ آج آنکھیں کھولتے اسے موت کیوں نہیں پڑی؟ احساسِ ذمہ داری تھا یا کیا؟

"اور اپنے کپڑوں کو پاک صاف رکھو۔ اور ہر قسم کی گندگی سے اپنے آپ کو دور رکھو۔"

وہ سر جھٹک کر بستر سے نکلی اور جب وہ سنک کے اوپر کھڑی ٹونٹی کھول کر وضو کرنے لگی تو دل پہ دوسری گرہ بھی جھٹکے سے ٹوٹ گئی۔ آدھی بھیگ کر وہ باہر نکلی اور جائے نماز اٹھانے لگی۔ پھر رکی۔ اونہہ۔ جلدی سے الماری میں گئی۔ اس دن درزی سے دو نئے سردیوں کے جوڑے سل کر آئے تھے۔ اب وہ ان لوگوں میں سے نہیں رہی تھی جو نیا جوڑا "کسی کے گھر جاتے ہوئے پہلی دفعہ پہنیں گے" کہہ کر الماری میں سنبھال کر رکھ لیتے ہیں۔ نیا جوڑا سب سے پہلے نماز میں پہننا ہوتا ہے۔ اس نے بال برش کیے، چوٹی گوندھی۔ نیا لباس پہنا۔ سلیقے سے دوپٹہ چہرے کے گرد لپیٹا۔ اور جائے نماز پہ آ کھڑی ہوئی۔ اللہ اکبر کہہ کر جیسے ہی رفع یدین کیا، دل پہ لگی تیسری گرہ بھی ٹوٹ گئی۔ مگر وہ مخلوق ہار ماننے کو تیار نہ تھی۔ وہ اس کے کان میں بولنے لگی۔ اس کو پچھلے دن کے کام یاد کروانے لگی۔ ذہن میں شک ڈالا کہ یہ دوسری رکعت ہے یا پہلی؟ اس میں بیٹھنا ہے یا نہیں بیٹھنا؟ پھر ہاشم کا چہرہ دکھانے لگی، مگر اسے علاج مل چکا تھا۔ نماز کے دوران ہی حنہ نے اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم پڑھ کر بائیں طرف کو تھوک دیا۔ اعوذ باللہ معجزے کرتا ہے۔ لوگ آزماتے نہیں ورنہ اس سے بڑی دوا کیا ہوگی کوئی؟

باقی کی نماز سکون سے پڑھی گئی۔

سلام پھیر کر جب اس نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تو سمجھ نہیں آیا کہ کیا مانگے۔ دل میں کوئی عجیب سی خوشی ابھری تھی۔ بار بار ادھر ادھر دیکھتی۔ وہ کیسے اٹھ گئی؟ اور اف... یہ اٹھ جانے میں کتنا مزا تھا۔ کتنا سکون تھا۔ اس اندھیرے میں اپنی اندھیر زندگی کے بارے میں اس نور والے سے باتیں کرنا کتنا اچھا لگ رہا تھا۔

(اوہ اللہ... اوہ اللہ... سب تعریف آپ کے لئے ہی ہے... آپ نے مجھے فجر دے دی... برسوں بعد میں فجر پہ اٹھی... اوہ اللہ...) زندگی میں پہلی دفعہ حنین یوسف کو سمجھ آیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ... ہمارے پیارے رسول اللہ ﷺ... کیوں ان کو فجر کی دو رکعتیں دنیا میں سب سے زیادہ عزیز تھیں۔ کیوں رحلت فرمانے سے پہلے.... آخری سانسوں میں... وہ فرماتے رہے تھے۔ نماز نماز نماز... اور یہ کیفیت... یہ وہی "چکھ" سکتا ہے جو فجر اور تہجد پہ اٹھتا ہے۔

"ہر شخص اپنے کمائے ہوئے اعمال کے بدلے میں رہن ہے۔

سوائے دائیں بازو والوں کے

جو جنتوں میں ہوں گے

اور پوچھیں گے مجرموں سے

کہ کیا چیز لے گئی تمہیں جہنم میں...

(جہنم والے) کہیں گے...

نہ تھے ہم نماز پڑھنے والے۔" (سورہ المدثر)

جائے نماز طے کر کے وہ اٹھی اور کھڑکی میں آ کھڑی ہوئی۔ پٹ کھول کر سرد ہوا کو اس نے اندر آنے دیا۔ وہاں ایک خوبصورت کالونی نظر آ

رہی تھی۔ نئے گھر سے قصرِ کاردار جیسا منظر نہیں نظر آتا تھا مگر اسے وہ منظر دیکھنا بھی نہیں تھا۔

(کیا چیز لے کر گئی تمہیں جہنم میں؟ وہ کہیں گے ... نہ تھے ہم نماز پڑھنے والے ... نہ تھے ہم نماز پڑھنے والے ...)

اس نے آنکھیں بند کر کے سرد ہوا کو محسوس کرنا چاہا۔ آج ... اسے کچھ بہتر لگ گیا تھا۔ حنین کے خیال میں وہ اب بھی اللہ سے ویسی محبت نہیں کرتی تھی جیسی کرنی چاہیے، مگر وہ اب اللہ تعالیٰ سے ایک ریلیشن شپ ضرور بنانا چاہتی تھی۔ اللہ کے سامنے اس کا امپریشن ٹھیک ہو جائے .. اللہ اس کی تعریف کرے ... اس کے دل میں ... سب سے بڑی تمنا یہی رہ گئی تھی۔ اور وہ جو اللہ کو پسند ہے .فجر کی نماز ... اس کو اس نماز سے محبت ہو گئی تھی۔ آج اسے اعلیٰ محبت اور ادنیٰ محبت میں فرق سمجھ آ گیا تھا۔

ٹھنڈی ہوا میں کھڑی حنین نے آج ... ہاں آج اس نے ہاشم کاردار کو دل سے جانے دیا تھا۔ مرضِ عشق کی جس برف نے اس کے دل کو جما دیا تھا فجر کی پہلی کرن نے اسے پگھلا دیا تھا۔

آج حنین یوسف آزاد ہو گئی تھی۔ وہ اپنے دل کی مالک بنی تھی یا نہیں، مگر اس نے اس ساحر کے قبضے سے اپنا دل ضرور چھڑا لیا تھا۔

ماہِ کامل ابھی تک جامنی آسمان پہ دمک رہا تھا اور زمین پہ بہتے بڑے بڑے سمندروں کو اپنے اشاروں پہ چلا رہا تھا۔ اوپر ... نیچے ... آگے ... پیچھے ...

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کچھ اب سنبھلنے لگی ہے جاں بھی، بدل چلا دورِ آسماں بھی

جو رات بھاری تھی ٹل گئی ہے، جو دن کڑا تھا گزر گیا وہ

صبح ایسا سنہرا سونے کے تھال سا جھلملاتا سورج آسمان پہ چمکا تھا کہ سارے شہر نے پگھل کر انگڑائی لی۔ کوئی جمود سا ٹوٹا۔ دھند سی چھٹی۔

اس اونچے ہوٹل کا وسیع و کشادہ مرکزی بیڈروم سنہرے رنگ میں آراستہ دکھائی دیتا تھا۔ قیمتی دیوار گیر پردے کھڑکی کے آگے سے ہٹے تھے اور دھوپ پورے کمرے کو روشن کر رہی تھی۔ سنہری ڈریسنگ ٹیبل کے کنارے فارس بیٹھا تھا، اور سامنے اسٹول پہ بیٹھی، خود کو آئینے میں دیکھ کر بال برش کرتی زمر کو دیکھ رہا تھا۔ وہ چہرہ بائیں طرف جھکائے، بالوں کے سروں میں برش چلاتے ہوئے بولی۔

''اب گھر چلتے ہیں، اس سے پہلے کہ سب سمجھیں، ہم واقعی بھاگ چکے ہیں۔''

فارس نے بے اختیار سر جھٹکا۔ ''فی الحال وہ مجھے اپنے گھر والے کم اور سسرال والے زیادہ لگ رہے ہیں۔''

وہ ہلکا سا ہنس دی اور چہرہ جھکائے بال برش کرتی رہی۔

''پتہ ہے مجھے تمہاری سب سے خوبصورت بات کیا لگتی ہے۔''

''نہیں پتہ۔''

''تمہارے بال۔'' اس نے ہاتھ بڑھا کر نرمی سے اس کی چند گھنگھریالی لٹیں انگلیوں میں اٹھائیں۔ زمر نے بھوری آنکھیں اٹھا کر اسے

دیکھا اور مسکرائی۔ ''ہاں میرے بالوں کے curls ہمیشہ سب کو پسند رہے ہیں۔''

''نہیں' ان کے کرلز نہیں' مجھے ان کا رنگ پسند ہے۔''

''رنگ؟'' زمر نے ایک دم چونک کر برش رکھ دیا۔

''ہاں۔ ان کا براؤن کلر۔'' (زمر نے بے اختیار تھوک نگلا مگر وہ اپنی دھن میں کہہ رہا تھا۔) ''سعدی اور سیم کے بال بھی براؤن ہیں مگر تمہارا کلر بہت مختلف' بہت خوبصورت ہے۔'' وہ نرمی سے اس کے بالوں کو چھو کر کہہ رہا تھا۔ زمر..... نے ذرا... غیر آرام دہ ہو کر برش رکھا۔

''میرے بالوں کا رنگ بھی سعدی کی طرح ہے.. مطلب میرا اصل کلر۔ یہ چاکلیٹ براؤن تو میں.. ڈائی کرتی ہوں۔'' اور اپنے بال نرمی سے چھڑا لیے۔

فارس کو چند لمحے اس کی بات کا مطلب سمجھ نہیں آیا۔ وہ بس سنہری آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھنے لگا۔ ''کیا مطلب؟''

''فارس! میرے بال سعدی جیسے ہی ہیں' یہ ذرا زیادہ براؤن میں نے خود کیے ہوئے ہیں۔ مجھے ایسے اچھے لگتے ہیں۔ میرا فون کیا تم نے آف کر دیا تھا؟'' اس نے اپنا فون اٹھاتے ہوئے تشویش سے پوچھا۔

''ایک منٹ۔ یہ... اصلی کلر نہیں ہے؟ مگر جب میں نے تمہاری یونیورسٹی میں داخلہ لیا تھا' تب بھی تمہارے بالوں کا یہی کلر تھا۔''

''میں ۲۲ سال کی عمر سے بال ڈائی کر رہی ہوں فارس۔ پاکستان کی ہر تیسری لڑکی بال ڈائی کرتی ہے۔ اف اتنے میسجز...'' وہ اسکرین کو دیکھ رہی تھی۔ جب وہ کچھ نہ بولا تو سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ ابھی تک اچنبھے سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''تمہارا مطلب ہے تم سات... آٹھ سال سے مجھے دھوکہ دے رہی ہو؟ قانوناً اس کی کیا سزا ہوتی ہے؟''

''میں نے کوئی دھوکہ نہیں دیا۔ تم نے پہلے کبھی اس بارے میں بات نہیں کی تو میں کیا بتاتی۔'' وہ خفا ہوئی۔

''یہ تمہارے curls بھی نقلی ہیں پھر؟'' وہ مشکوک ہو چکا تھا۔

''اف فارس' میرا کچھ بھی نقلی نہیں ہے صرف ذرا سا کلر ہے یہ۔'' مگر وہ نفی میں سر ہلاتا اٹھ کھڑا ہوا۔

''نہیں زمر بی بی... آپ نے مجھے اتنے سال دھوکے میں رکھا.. میں آپ کا ہر ظلم معاف کر سکتا ہوں' مگر یہ نہیں۔ آپ نے میرا دل توڑا ہے۔ کیسے لوٹائیں گی آپ مجھے میرے آٹھ سال؟ کیونکہ آج مجھے لگ رہا ہے کہ مجھے آپ سے بالکل بھی محبت نہیں رہی۔'' وہ نفی میں گردن ہلاتا' ابھی تک تعجب سے کہہ رہا تھا۔ زمر نے گردن موڑ کر تندہی سے اسے دیکھا۔

''کتنا بولنا آ گیا ہے تمہیں۔'' وہ ابھی جواب میں کچھ تیکھا سا کہنے لگا تھا کہ اس کا اپنا موبائل جیب میں تھرتھرانے لگا۔ اس نے نکال کر دیکھا۔ آبدار... اس نے کال کاٹی۔

''میں اس معاملے کو اتنی جلدی نہیں ختم کرنے والا' واپس آ کر اس بارے میں بات کرتا ہوں۔'' اس کا تو بھئی واقعی دل ٹوٹ گیا تھا۔ خفا سے لہجے میں کہہ کر وہ باہر نکل گیا۔ اور پھر اپنے دوسرے چھوٹے موبائل سے کال بیک کی۔ آبی نے فوراً اٹھا لیا تھا اور اس کی آواز سن کر چہکی تھی۔

"تو فارس غازی کا "بلاکڈ نمبر" بھی ہے۔ امید ہے یہ بگ نہیں ہو رہا ہوگا' کیونکہ مجھے آپ سے بہت خاص بات کرنی ہے۔"

"آئندہ میری بیوی سے اس ٹون میں بات مت کیجیے گا۔" وہ اندر زمر سے خفا لہجے میں شکایت کرنے والے فارس غازی سے بالکل مختلف اور سنجیدہ لگ رہا تھا۔ آبدار کو لمحے بھر کے لئے سمجھ نہیں آیا' پھر رات والا اپنا رویہ یاد آیا تو دانتوں تلے زبان دی۔

"میرے منہ سے نکل گیا تھا' میں تو..."

"وہ مجھے بہت عزیز ہے' اور جتنی عزت میں اس کی کرتا ہوں' آپ سے توقع کرتا ہوں کہ آپ بھی کریں گی۔ اب بتائیے' کیا بات تھی؟" ہموار مگر بے لچک انداز میں رات والا ادھار چکا کر وہ بولا تھا۔ وہ چند لمحے خاموش رہی۔

"سعدی اور خاور کل جیل توڑ کر فرار ہو گئے ہیں۔ میں نے رات میں آپ کو بہت کالز کیں۔ مگر آپ کا فون آف تھا۔" بجھے لہجے میں بولی۔

"کیا؟" وہ ایک دم ششدر رہ گیا۔ پھر بے اختیار پیشانی مسلی۔ ہونٹوں پہ بند مٹھی رکھی۔ سمجھ نہیں آیا کہ جذبات کو کیسے قابو کرے۔

"ہاشم نے بابا کو بتایا ہے کہ وہ انہیں اب تک نہیں ڈھونڈ پائے۔ اب معلوم نہیں ڈھونڈ کر چھپا لیا ہے' یا واقعی وہ دونوں لاپتہ ہو چکے ہیں۔"

فارس نے کچھ کہنے بنا فون رکھ دیا اور جب وہ واپس کمرے میں گیا تو بالکل خاموش تھا۔

گھر آ کر اس نے زمر کو سب کے سوالوں کے جوابات دینے چھوڑ دیا اور خود اس اوپری منزل کے بیڈ روم میں آ گیا جو زمر اور اس کے لئے ندرت نے سیٹ کیا تھا۔ اس نے لیپ ٹاپ نکالا اور اس پہ ایک محفوظ شدہ لنک کھولا۔

جو پین... زہریلا پین اس نے سعدی کو بھیجا تھا۔ اس میں جی پی ایس ٹریسر لگا تھا۔ اسکرین پہ وہ جی پی ایس ایکٹو سگنل دے رہا تھا۔ کل رات سے پہلے تک وہ اس علاقے میں تھا جہاں ہارون عبید کا ہوٹل تھا۔ مگر آج صبح... وہ اس ہوٹل سے کئی کوس دور... ایک پارک میں آ کر رک گیا تھا' اور ابھی تک ایکٹو تھا۔

سعدی کے پاس اگر وہ پین تھا تو وہ اتنے گھنٹوں سے اس پارک میں کیوں بیٹھا تھا؟ یا پھر وہ پین کس کے پاس تھا؟ وہ ایک دم بہت پریشان ہو گیا تھا۔ پچھلے آٹھ ماہ سے اس کو معلوم تھا کہ سعدی یوسف کہاں ہے۔ مگر پہلی دفعہ اس نے سعدی کی لوکیشن کھو دی تھی۔ شاید اس نے صبح میں زمر کو کال کی ہو' مگر... فارس نے سر دونوں ہاتھوں میں گرا دیا۔

پچھلے آٹھ ماہ کی ان تھک محنت کے بعد... پہلی دفعہ وہ صرف اپنے اور زمر کے بارے میں سوچنا چاہتا تھا۔ اس نے سوچا تھا' زندگی پہ اس کا بھی حق ہے۔ اور کم از کم کچھ دیر کے لئے زمر ساری دنیا سے کٹ کر صرف اس کی باتیں سنے' اس کو وقت دے۔ مگر وہ غلط تھا۔ اس کا زندگی پہ کوئی حق نہیں تھا۔ اس کو صرف اپنا کام کرنا چاہیے تھا۔ اپنے بھائی اور بیوی کا انتقام لینا تھا اور سعدی یوسف کو واپس اپنے خاندان تک پہنچانا تھا۔ اسے اپنا نہیں سوچنا تھا۔ وہ تو cursed تھا۔ اسے زمر کا فون نہیں آف کرنا چاہیے تھا۔

اب وہ پھر سے اپنے سنجیدہ اور سپاٹ خول میں سمٹ آیا تھا اور کمرے میں ادھر ادھر ٹہلتے ایک نمبر ملا رہا تھا۔

"ہاں فرمان' ٹھیک ہو؟ اچھا یہ بتاؤ' کل شام ہوٹل میں سب خیریت رہی؟"

"میں نے آپ کو کال کی تھی، نمبر بند تھا۔ خیریت تھی مگر ہاشم کاردار کل ادھر آیا ہوا تھا۔ وہ اور اس کے آدمی پر اہرا کے وقت پاگلوں کی طرح ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ کچھ معلوم نہیں ہو سکا، مگر وہ کسی کو ڈھونڈ رہے تھے جیسے۔"

"ٹھیک ہے، آنکھیں کھلی رکھو اور مجھے رپورٹ دیتے رہنا۔" اس نے اسی اضطراب سے فون بند کیا۔ فرمان تھائی لینڈ میں سیٹل ہونے کا خواہشمند ایک بری ہو جانے والا اس کا جیل کا ساتھی تھا۔ اس نے اسے سری لنکا میں سیٹل ہونے کی پیشکش کی تھی۔ (احمر شفیع سے ہارون عبید تک سفارش کروانا، اپنا نام آئے بغیر اور احمر کو مشکوک کیے بغیر، بہت آسان تھا۔) اور بدلے میں "رپورٹ" مانگی تھی۔ اب وہ کچھ عرصے سے اسی ہوٹل میں کام کر رہا تھا۔ اس کی رسائی کچن کے نیچے بنی جیل تک تو نہ تھی، مگر جہاں تک اس کی آنکھیں جاتی تھیں، وہ غازی کو خبر دے دیا کرتا تھا۔

اب اس نے ایک اور نمبر ملایا۔ "عنایت تم ہسپتال میں نائٹ ڈیوٹی پہ تھے کل رات؟ او کے گڈ۔ تمہارے سامنے والی بلڈنگ میں رات کو یا صبح میں کوئی آیا ہے؟ اچھا... اگر کوئی حرکت نظر آئے، کوئی آمدرفت ہو تو مجھے خبر کرنا۔"

وہ ایک ایک کر کے ہاشم کاردار کی ملکی وغیر ملکی جیلوں کے قریب موجود اپنے دوستوں کو فون کر رہا تھا۔ وہ اس کی چاروں خفیہ جیلوں کے بارے میں جانتا تھا۔ اگر وہ دونوں مفرور قیدی ان جیلوں میں سے نہیں لائے گئے تھے تو یقیناً ہاشم ان کو ابھی تک نہیں پکڑ سکا تھا۔ لیکن اگر وہ آزاد تھے تو سعدی نے فون کیوں نہیں کیا تھا؟ زمر کے علاوہ کسی اور کو بھی تو فون کر سکتا تھا۔ وہ یقیناً کسی مشکل میں تھا۔ آٹھ ماہ پہلے یوسف خاندان نے سعدی یوسف کو کھویا تھا، مگر فارس غازی نے اسے کل رات کھویا تھا۔

اور اب اس کو ڈھونڈنے کا ایک ہی طریقہ تھا۔

مگر اس سے پہلے اسے ایک کام اور کرنا تھا۔

اپنے چہرے پہ پرانے برف تاثرات سجائے وہ کچھ ڈاکومنٹس لے کر، کسی سے بات کیے بنا وہ گھر سے باہر آ گیا۔ جب وہ کار کو ان لاک کر رہا تھا تو زمر اس کے پیچھے باہر آئی۔

"کوئی مسئلہ ہے فارس؟ تم پریشان لگ رہے ہو؟"

"میں ٹھیک ہوں۔ تمہارے ڈاکٹر کے پاس جا رہا ہوں۔ ڈونر کے ڈاکومنٹس لے کر..." بدقت ذرا سا مسکرا کر فائل اوپر اٹھا کر دکھائی اور کار کے اندر بیٹھا۔ یہ وہ پہلے ہی طے کر چکے تھے زمر کی ضرورت نہیں تو صرف وہی جائے گا۔ مگر اتنی جلدی کیا تھی اسے؟ اسے کار باہر نکالتے دیکھ کر زمر نے سوچا۔ مگر خیر۔ اسے فارس پہ بھروسہ تھا۔ وہ سنبھال لے گا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس لمحہ خیر و شر میں کہیں اک ساعت ایسی ہے
جس میں ہر بات گناہ نہیں ہوتی، سب کارِ ثواب نہیں ہوتا

ڈاکٹر قاسم نے اپنی کرسی سے اٹھ کر خوش دلی سے اس کا استقبال کیا۔ جینز پہ بھورا سویٹر پہنے چہرے پہ سنجیدہ اور برف تاثرات سجائے وہ سنہری گہری آنکھوں کو ڈاکٹر قاسم پہ جمائے سامنے کرسی پہ بیٹھا اور ٹانگ پہ ٹانگ جمالی۔ فائل اپنے سامنے رکھ لی۔

''مجھے خوشی ہے کہ آپ سے بالآخر ملاقات ہو رہی ہے۔ بہت سنا تھا آپ کے بارے میں۔'' وہ خوش دلی سے بولے تھے۔ اس کے لئے کافی آرڈر کرنی چاہی مگر اس نے انکار کر دیا۔

''جو بھی بری باتیں سنی ہیں آپ نے وہ سب درست ہیں۔'' وہ سر کو خم دے کر بولا تھا۔

''نہیں اچھی بھی سنی ہیں۔ خیر۔'' وہ جلد مدعے پہ آ گئے۔ ''زمر اپنے بارے میں بہت لاپرواہی برتتی ہیں۔ انہیں بہت پہلے ٹرانسپلانٹ کروا لینا چاہیے تھا۔ خیر وہ کہہ رہی تھیں کہ آپ کے پاس کسی ڈونر کی رپورٹس ہیں کہاں سے کروائے ہیں ٹیسٹس؟'' عینک لگاتے ہوئے انہوں نے رپورٹس کے لئے ہاتھ بڑھایا مگر فارس نے کاغذان کی طرف نہیں بڑھائے۔

''میں اپنے تجربات خود کیا کرتا ہوں۔ کیا آپ کو گرمی نہیں لگ رہی؟'' اٹھتے ہوئے وہ تعجب سے بولا اور کھڑکی کھول دی پھر واپس آ کر بیٹھا۔ ڈاکٹر قاسم نے قدرے حیرت سے اسے دیکھا۔ پھر سر جھٹک کر عینک اتار کے رکھی۔

''تو کون ہے یہ ڈونر؟''

''کوئی ڈونر نہیں ہے۔ میں نے زمر سے جھوٹ بولا تھا کہ میرے پاس ڈونر ہے۔''

کمرے میں ایک ششدر سا سناٹا چھا گیا۔ پھر وہ اسی بے مہری سے بولا۔

''میں نہیں چاہتا کہ وہ سرجری کروائے۔ آپ ڈاکٹر قاسم اس کی سرجری نہیں کریں گے۔''

ڈاکٹر قاسم کے چہرے پہ بے پناہ شاک سا ابھرا۔ ''غازی صاحب ان کی جان کو خطرہ ہے انہوں نے سرجری نہ کروائی تو وہ جان سے جائیں گی۔'' ان کو بے حد افسوس ہوا تھا۔ وہ ہلکا سا مسکرایا۔

''آپ کی شرٹ بہت نفیس ہے۔''

ڈاکٹر قاسم نے اس کو یوں دیکھا گویا اس کا دماغ چل گیا ہو پھر گردن جھکا کر اپنی شرٹ کو دیکھا تو لمحے بھر کو وہ برف کا مجسمہ بن گئے۔

ان کی شرٹ پہ... عین دل کے مقام پہ... سرخ نقطہ تھا۔ روشنی کا نقطہ۔ سرخ لیزر جو کھڑکی سے ہوتا ہوا ان کے دل پہ نشانہ لئے ہوئے تھا۔

''اپنے دشمنوں کو جیل نہیں بھیجنا چاہیے مار دینا چاہیے کیونکہ جیل جانے کے بعد وہ خطرناک لوگوں سے دوستی کر لیتے ہیں جیسا میرا یہ دوست جو برابر کی عمارت میں اسنائپر گن لئے بیٹھا ہے اور اسکی گن کا نشانہ عین آپ کے اوپر ہے۔ نہ... نہ... نہ... فون کی طرف ہاتھ مت بڑھانا ورنہ وہ گولی چلا دے گا۔''

ڈاکٹر قاسم نے گردن اٹھا کر بے یقینی سے اس کو دیکھا۔ وہ ٹیک لگا کر بیٹھا پرسکون سا بولے جا رہا تھا۔ ساتھ ہی منہ میں کچھ چبا رہا تھا۔

''اس فریم کو دیکھیں۔'' اس کے اشارے پہ ڈاکٹر قاسم نے نظر اٹھا کر دیوار پہ لگے فریم کو دیکھا جس میں ان کا کوئی سرٹیفکیٹ آویزاں تھا۔

ایک سرخ لیزر اسپاٹ وہاں بھی نظر آ رہا تھا' اگلے ہی لمحے بنا آواز کے ایک گولی فضا کو چیرتی ہوئی آئی اور اسی نقطے کی جگہ پہ آ پیوست ہوئی۔ فریم کا شیشہ چکنا چور ہو گیا۔ ڈاکٹر قاسم کا رنگ سفید پڑنے لگا۔

''یہ کیا مذاق ہے فارس غازی؟''

''اوہ سوری' یہ ریہرسل تھی۔ اگر تم ہلے تو وہ اگلی گولی تمہارے اوپر چلائے گا' اس لئے میں نے کھڑکی کھول دی' تا کہ اگر وہ تمہیں مارے تو کم از کم یہ معصوم شیشہ نہ ٹوٹے۔ خیر' ہم زمر کی بات کر رہے تھے۔'' ذرا مسکرا کر ان کے چہرے پہ اپنی پرتپش نظریں جمائے وہ چبا چبا کر کہنے لگا۔ ''کتنے پیسے دیے کاردارز نے میری بیوی کو یہ یقین دلانے کے لئے کہ وہ مرنے والی ہے؟ اس کا گردہ ضائع ہو چکا ہے۔ وغیرہ وغیرہ؟''

''دیکھو' مجھے نہیں پتہ تم کس ڈاکٹر کے پاس گئے ہو' مگر...'' وہ محتاط انداز میں بولنے لگے تھے مگر وہ ایک دم آگے کو جھکا اور زور سے ہاتھ مار کر میز کی ساری چیزیں پرے دھکیل دیں۔ سب کچھ زمین بوس ہو گیا۔

''انسان ایک شخص پہ کبھی شک نہیں کرتا' اور وہ ہوتا ہے اس کا ڈاکٹر!'' میز پہ دونوں ہاتھ رکھے' جھک کر غصے سے وہ غرایا تھا۔ ''تم نے اتنے ماہ میری بیوی کو ٹارچر کیا' اس کو پل پل مارتے رہے' صرف اسلئے کہ تمہارے بیٹے کی پوری فیملی کو انہوں نے باہر سیٹل کرا دیا؟ تمہاری بیٹی کا پارٹ ٹو ایگزام کلیئر کروا دیا؟ تمہیں کیا لگتا ہے' عین میری گرفتاری سے کچھ روز پہلے تم اس کو اچانک سے بلا کر اچانک سے چند ٹیسٹ کروا کے کہو گے کہ اس کا کڈنی فیل ہو چکا ہے' اور پھر میرے کیس کے دوران وہ مجھ سے کہے گی کہ اسے میرے کیس اور اپنے ڈونر کے درمیان کسی کو چننا ہے' اور میں اتنا گدھا ہوں جو یہ نہیں سمجھوں گا کہ یہ سارا ڈرامہ تم لوگ مجھے جیل میں رکھنے کے لئے رچا رہے ہو' تا کہ وہ میرا کیس نہ لڑے؟'' ساتھ ہی زور سے میز پہ ہاتھ مارا۔

ڈاکٹر قاسم نے دونوں ہاتھ اٹھا دیے۔ ان کے ماتھے پہ پسینے کی بوندیں تھیں اور وہ بار بار اضطراب سے سر جھٹکتے تھے۔

''ایک منٹ بھی نہیں لگا مجھے سمجھنے میں کہ اس کے ڈاکٹر کو کاردارز خرید چکے ہیں' آخر چار سال سے وہی اس کے میڈیکل بلز پے کرتے ہیں نا' ان کی کمپنی کا تو بالواسطہ رابطہ رہتا ہے تمہارے ساتھ۔'' واپس کرسی پہ بیٹھا' ٹیک لگائی' ٹانگ پہ ٹانگ جمائی اور پھر اسی برہم انداز میں بولا۔ ''میرے دوست کی گن تمہارے اوپر تنی ہے۔ مجھ سے جھوٹ مت بولنا۔ سچ سچ بتاؤ۔ کاردارز نے کیا کرنے کے لئے کہا تھا تم سے؟''

ڈاکٹر قاسم نے چند گہرے سانس لئے۔ روشنی کا سرخ دھبہ ابھی تک شرٹ پہ پڑا ہوا تھا۔ بدقت وہ کہنے لگے۔

''مسز کاردار نے کہا تھا کہ میں اس کی دوا بدل دوں' کسی طرح اس کا اورگن ضائع ہو جائے' اور اس کو دوبارہ سرجری کروانی پڑے گی' اس سب میں لگ کر وہ تمہارے کیس کو وقت نہیں دے پائے گی اور وہ اپنی مرضی کے وکیل کو تمہارے ساتھ جوڑ دیں گے۔ مگر میں نے... دیکھو... میں برا آدمی نہیں ہوں... میں نے ایسا نہیں کیا۔''

''مجھے پتہ ہے تم نے ایسا نہیں کیا۔'' وہ درشتی سے اسے گھورتے ہوئے بولا۔ ''حالانکہ دوسرے ڈاکٹرز نے بھی اسے یہی کہا کہ گردہ ضائع ہو گیا ہے' مگر چونکہ وہ جن پہ اعتبار کرتی ہے' ان پہ مکمل اعتبار کرتی ہے' سو یقیناً وہ صرف انہی ڈاکٹرز کے پاس گئی ہو گی جن کے پاس تم نے

اسے بھیجا ہو گا۔"

"تمہیں کیسے پتہ اس کا گردہ ضائع نہیں ہوا؟"

"کیونکہ جس ڈونر کو میں جانتا ہوں.. اس کا اورگن کبھی ریجیکٹ نہیں ہو سکتا۔ اسے زمر بہت عزیز تھی اس کی قربانی ایسے ضائع نہیں ہو سکتی۔"
ڈاکٹر قاسم نے گہری سانس لے کر اثبات میں سر کو خم دیا۔ "سعدی یوسف۔ آف کورس۔ اس کا گردہ ٹھیک ہے۔ وہ پرفیکٹ میچ تھا۔ وہ چند سال اور چل جائے گا اچھے سے۔"

"اور یقیناً تم نے زمر کی دوا بھی بدلی ہے کیونکہ وہ زرد اور بیمار لگنے لگی ہے۔"

"مجھے چند فیک symptoms ڈالنے تھے تاکہ اسے محسوس ہو کہ وہ بیمار ہے۔ دیکھو مجھے اپنی پیشنٹ بہت عزیز ہے۔ میں نے بہت دقتوں سے مسز کاردار کو ٹالے رکھا ہے۔"

"ظاہر ہے تم ایسا نہ کرتے تو تمہیں تمہارے وہ کروڑوں روپے کیسے ملتے؟ تمہیں اپنی نظر میں اچھا بھی تو بننا تھا اس لئے تم نے زمر کو نقصان نہیں پہنچایا۔"

"آئی ایم سوری۔ پلیز اس گن کو میرے اوپر سے ہٹاؤ۔ میں.. زمر سے معافی مانگ لوں گا میں اسے سب سچ بتا دوں گا۔"
فارس نے کھڑکی کی طرف رخ کر کے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ اگلے ہی لمحے سرخ لیزر لائٹ ڈاکٹر قاسم کی شرٹ سے غائب ہو گئی۔ انہوں نے سکون کا سانس لیا۔ ٹشو نکال کر ماتھے پہ آیا پسینہ پونچھا۔

"تم زمر کو کچھ نہیں بتاؤ گے۔ ابھی کچھ عرصہ نہیں۔ صرف اتنا کہو گے کہ تم کوئی نئی دوا استعمال کرنا چاہتے ہو جس سے شاید اس کا تقریباً ناکارہ گردہ کام کرنے لگے۔ کوئی بھی وجہ گھڑ لینا۔ تم ان کاموں میں ماہر ہو۔" ڈاکٹر قاسم کو حیرت کا جھٹکا لگا۔

"مجھے اسے بتانا ہے۔ اب میں اس سے مزید نہیں چھپا سکتا۔ میں برا آدمی نہیں ہوں۔ میں نے ہمیشہ زمر کو نقصان سے بچایا ہے۔۔۔"

"نہیں تم اسے کچھ نہیں بتاؤ گے۔ جس چیز کا میں انتظار کر رہا ہوں اس میں ابھی ذرا وقت ہے تب تک زمر کو نہیں معلوم ہونا چاہیے۔"

"فارس غازی تم مجھے قتل نہیں کرنے والے بھلے تم مجھے اپنے اسنائپرز سے کتنا ہی ڈرا لو۔" وہ بھی تندہی سے کہتے آگے کو جھکے۔ "تم مجھے اب اپنے اشاروں پہ نہیں چلا سکتے۔" لیزر لائٹ ہٹ چکی تھی اور ان کا کھویا اعتماد بحال ہو رہا تھا۔
فارس نے اپنے مخصوص انداز میں سر کو خم دیا اور فائل کھولی۔ ایک کاغذ نکال کر اس کے سامنے رکھا۔

"مجھے تمہیں اپنے اشاروں پہ چلانے کے لیے اسنائپر گن کی ضرورت ہے بھی نہیں۔ یہ دیکھو۔ یہ پچھلے ماہ کا ریکارڈ ہے۔ تم نے ایک افغان نوجوان کا علاج کیا تھا جس کا نام ابو فرید حسان تھا۔" ڈاکٹر قاسم نے عینک لگاتے ہوئے اچنبھے سے اس لسٹ کو دیکھا۔

"ہاں میں نے کیا تھا۔ وہ روٹین چیک اپ کے لئے آیا تھا۔"

"اور یہ تمہاری چند تصاویر ہیں اس مریض کے ساتھ۔" اس نے ایک پرنٹ آؤٹ نکال کر ڈاکٹر کے سامنے رکھے۔ وہ ان میں اس مریض کا

معائنہ کرتے نظر آ رہے تھے۔ مریض کا نیم رخ دکھائی دیتا تھا۔ لمبی داڑھی' سر پہ ٹوپی' اور چہرہ ذرا جلا ہوا۔ ہاتھ پہ بھی جلنے کا نشان تھا۔

''ہاں' تو؟''

''تو یہ کہ یہ افغان باشندہ اب تک طورخم کا بارڈر کراس کر کے واپس جا چکا ہے۔ اور اس کا نام ابوفرید نہیں ہے۔ یہ ایک اداکار ہے' میں نے اس کو یہ حلیہ اپنانے کے لئے کہا تھا تا کہ یہ سائیڈ پوز سے لی گئی تصاویر میں ابوفرید کی طرح لگے۔ یہ ہے اصلی فرید۔'' اس نے ایک اور تصویر نکال کر ڈاکٹر کے سامنے ڈالی۔ وہ ایک ذرا جلے ہوئے چہرے والے نوجوان کی تھی۔

''تو پھر؟''

''پھر یہ ڈاکٹر قاسم کہ ابوفرید حسان ایک افغانی باشندہ ہے اور یونیورسٹی حملے میں حکومت کو مطلوب ہے۔ دہشت گرد ہے وہ۔ وہ تمہارے پاس کبھی نہیں آیا' لیکن اگر کوئی تمہارے ریکارڈ کی یہ لسٹ دیکھے' فہرست لہرائی۔ ''اور یہ تصاویر دیکھے' فوٹو سامنے کیا۔ ''تو اسے لگے گا کہ تم نے ایک افغان عسکریت پسند کا علاج کیا ہے۔''

''ایک منٹ... میں نے کسی دہشت کا علاج نہیں کیا۔'' ڈاکٹر قاسم کا سر گھومنے لگا۔

''تم یہ ثابت نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اگر میں ایپکس کمیٹی کے کسی رکن یا کسی جرنیل کو یہ تصاویر اور یہ ریکارڈ بھیج دوں تو تم دہشت گردوں کے سہولت کار ثابت ہو جاؤ گے' دو گھنٹے کے اندر وہ تمہیں گھر سے اٹھائیں گے' اور فوجی عدالت میں مقدمہ چلا کر تین ماہ میں پھانسی چڑھا دیں گے۔ تم سابق صدر کے بی ایف ایف (بہترین دوست) تو ہو نہیں کہ تمہیں کوئی رعایت ملے۔ ہاں تو تم کیا کہہ رہے تھے' تم زمر کو حقیقت بتانا چاہتے ہو؟''

ڈاکٹر قاسم نے بے اختیار سر کرسی کی پشت پہ گرا دیا اور بس بے بسی سے اس کو دیکھے گئے۔ فارس غازی کی سرد نظریں اب بھی ان پہ جمی تھیں۔ گھڑی کی سوئی ٹک ٹک کرتی گئی۔

''نہ کاردار کو بتاؤں گا' نہ زمر کو۔ میں وہی کروں گا جو تم کہو گے۔ لیکن... اس سے پہلے... میں چاہتا ہوں کہ تم میری بات کا یقین کرو' کیونکہ جب میں کہتا ہوں کہ میں نے زمر کو نقصان نہیں پہنچایا کبھی تو میں غلط نہیں کہہ رہا۔ فارس غازی۔ میں۔ برا آدمی۔ نہیں ہوں۔'' اس کی آنکھوں میں جھانک کر وہ کہہ رہے تھے۔

''شاید!'' فارس آہستہ سے سیدھا ہو کر بیٹھا... بہت آہستہ سے... ایک دم سے آسمان پہ کوئی تارا ٹوٹا تھا۔ یا شاید وہ چاند تھا۔ بہت سے چکر الٹے ہوئے تھے۔ مدار بدلے تھے۔

جب وہ کار میں آ کر بیٹھا تو اگنیشن میں چابی گھمانے میں اسے کافی دیر لگی۔ اس کے ہاتھ کے اوپر... سویٹر کی آستین پہ تازہ خون کے چند دھبے لگے تھے۔ لمحے بھر کے لیے اس نے سوچا کہ زمر کو بتا دے' مگر نہیں۔ اسے اپنا نہیں سوچنا تھا۔ ابھی نہیں۔

نفی میں سر ہلاتے ہوئے اس نے خود کو ٹھنڈا کرنا چاہا' پھر کار چلا دی۔

سڑک پہ نگاہیں مرکوز کیے، ہر شے کو ذہن سے جھٹکا اور اپنے پرائیوٹ نمبر سے آبدار کو کال ملاتے ہوئے کار سائیڈ پہ روکی۔

''ایک دن میں دوسری دفعہ فارس غازی کی کال۔ مانا کہ میں بہت اچھی ہوں اور کیوٹ بھی، مگر...''

''آپ کے پاس پرائیوٹ جیٹ ہے نا؟''

وہ چونکی تھی۔ ''ہمارے پاس دو پرائیوٹ جیٹس ہیں۔ مگر کیوں؟''

''گڈ۔ میرے پاس بلیو پاسپورٹ ہے۔ اور آپ کے پاس پرائیوٹ جیٹ۔ ایک سوال پوچھوں آپ سے؟'' وہ ذرا ٹھہر کر بولا۔

''آپ میرے ساتھ کولمبو چلیں گی؟''

اور آبدار عبید کا سارا وجود لمحے میں برف کا ہوا اور لمحے میں پگھل گیا۔ زندگی اسے اتنا خوبصورت سرپرائز دے گی اس نے سوچا بھی نہ تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(باقی ان شاء اللہ آئندہ ماہ)